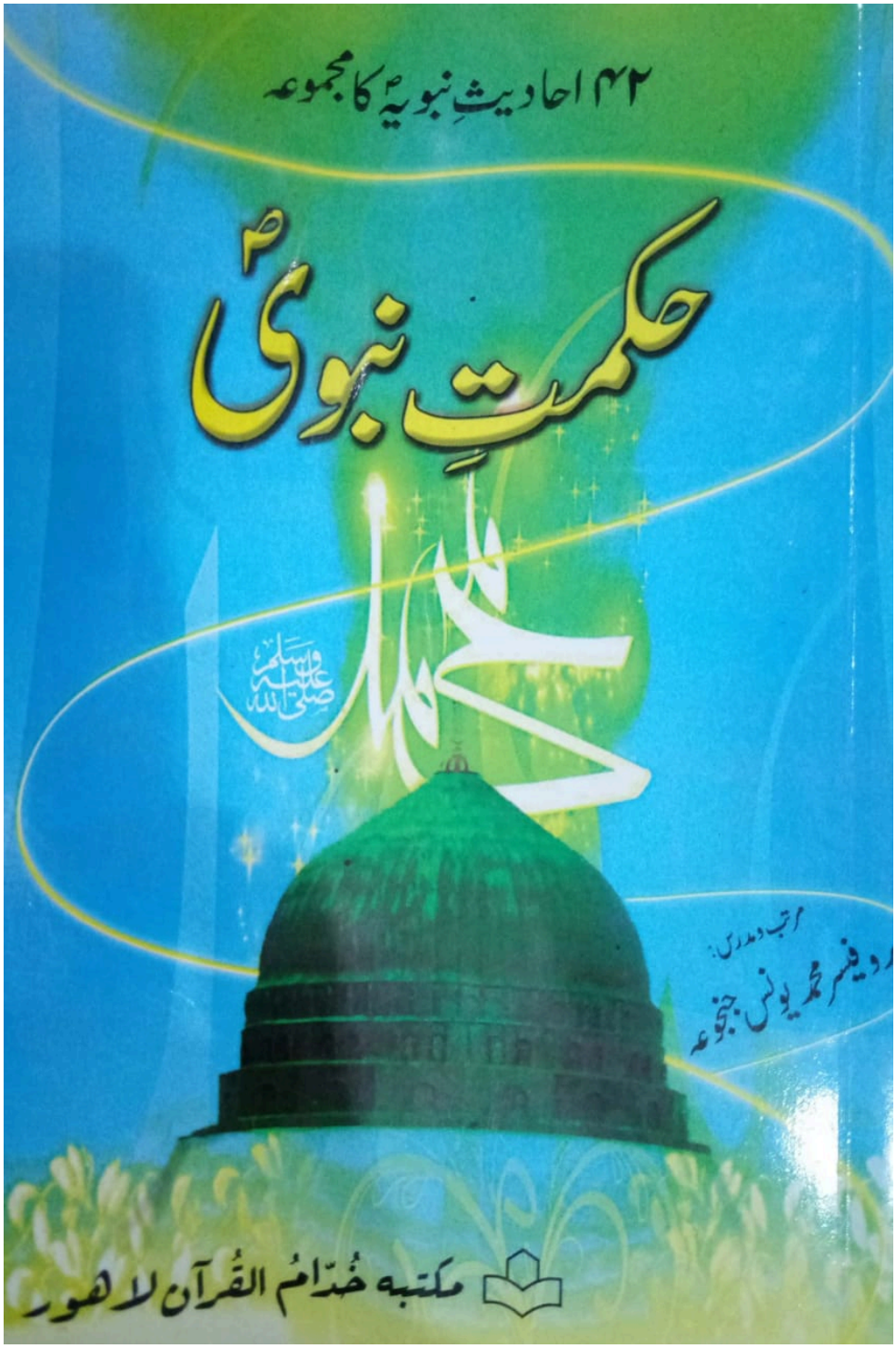

حکمتِ نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

پیش لفظ

قرآن اکیڈمی کے دفاتر میں کام کرنے والوں کے لیے قبل از دوپہر چائے کا مختصر سا وقفہ ہوتا ہے اور اس دوران ہر ایک کو اُس کی جائے نشست پر چائے فراہم کر دی جاتی ہے۔ البتہ ہفتے کے روز یہ وقفہ ایک تقریب کی صورت اختیار کرجاتا ہے ۔ تمام احباب ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے ہیں جہاں پر تکلف چائے کے ساتھ ان کی تواضع کی جاتی ہے اور اس وقفے کو مزید مفید بنانے کے لیے اس دوران مختصر درس حدیث کا اہتمام کیا جاتا ہے' جس کی ذمہ داری کی سعادت راقم کے حصے میں آئی ہے۔

چند سال قبل میرا درس حدیث ''حکمت نبویؐ'' کے عنوان سے ماہ نامہ حکمت قرآن میں شائع ہونے لگا۔ یہ ماہنامہ اب سہ ماہی ہو چکا ہے۔ جب ان دروس کی تعداد چالیس کے قریب پہنچی تو افادیت کا دائرہ وسیع کرنے کے لیے خیال ہوا کہ ان دروس کو یکجا کرکے شائع کر دیا جائے اور بہت سی موجود ''اربعین'' میں ایک ''اربعین'' کا مزید اضافہ ہوجائے۔ صاحبان اربعین میں امام نوویؒ جیسے بلند پایہ محدثین ملتے ہیں' جنہوں نے اشاعت حدیث میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ چالیس احادیث کے مجموعے کو یاد کرنے اور ان کو شائع کرنے کی بہت فضیلت بتائی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے میری اُمت میں دین کی اشاعت کے لیے چالیس حدیثیں حفظ کیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے فقہاء اور علماء کے زمرے میں اٹھائے گا۔ اس حدیث کے راوی چودہ جلیل القدر صحابیؓ ہیں۔ اگرچہ اکابر علمائے حدیث کے سامنے میری تو کوئی علمی حیثیت نہیں مگر صرف اس خیال سے کہ مرتبین چہل حدیث کی فہرست میں میرا نام بھی شامل ہو کر موجب سعادت ہو جائے اس مجموعہ دروس حدیث کو شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

''اربعین'' کے ہر مرتب نے اپنے ذوق اور مزاج کے مطابق احادیث کا انتخاب کیا ہے۔ اس اعتبار سے میرا رجحان اس طرف رہا ہے کہ عقیدے کی درستی پر مبنی احادیث کے انتخاب کے

ساتھ وہ احادیث بھی اس مجموعے میں شامل کی جائیں جو روزمرہ زندگی میں اچھے عمل پر ابھاریں اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی اہمیت اُجاگر کریں۔ بالفاظِ قرآنی: {خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا}

(الملک:۲)''اللہ نے موت اور حیات کو تخلیق کیا تاکہ وہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے''۔ انسان دنیا میں اپنی آخرت بنانے کے لیے بھیجا گیا ہے جو حقیقی زندگی ہے اور جو مقصود و مطلوب ہے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی راہنمائی کا سامان theoretically تو قرآن مجید کی صورت میں کر دیا اور عملی طور پر رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو انسانوں کے لیے نمونہ قرار دے دیا۔ اب رضائے الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے اُسوۂ حسنہ کا جاننا ضروری ہے جو احادیث میں محفوظ ہے۔ اس مقصد کے لیے اس کتاب میں چند منتخب احادیث اور ان کی مختصر سی تشریح درج کر دی گئی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسلم گھرانے میں ہر روز ایک حدیث کا اجتماعی مطالعہ کر لیا جائے۔ ایک دفعہ کتاب کے مکمل پڑھ لینے کو کافی نہ سمجھا جائے بلکہ دوبارہ سے کتاب شروع کر دی جائے تاکہ بار بار کے مطالعے سے تذکیر ہوتی رہے اور حسن عمل کی توفیق ہو۔

میری دعا ہے کہ میری خواہش کے مطابق اس کتاب کو پذیرائی ملے اور یہ بہت سے لوگوں کی ہدایت کا باعث بنے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد میرے پیش نظر نہیں۔

طالب دعائے خیر

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ
B2-20 جوہر ٹاؤن لاہور
فون:03224598216

---

(1) نماز کی عظمت و اہمیت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز کے بارے میں گفتگو فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ((مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُوْرًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَمْ

يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَهُ نُوْرًا وَلَا بُرْهَانًا وَلَا نَجَاةً، وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَيِّ بْنِ خَلْفٍ))(رواہ احمد والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

''جو بندہ نماز اہتمام سے ادا کرے گا تو وہ قیامت کے دن اس کے واسطے نور ہوگی (جس سے قیامت کے اندھیروں میں اس کو روشنی ملے گی' اور اس کے ایمان اور اللہ تعالیٰ سے اس کی وفاداری اور اطاعت شعاری کی نشانی) اور دلیل ہوگی' اور اس کے لیے نجات کا ذریعہ بنے گی 'اور جس شخص نے نماز کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کیا (اور اس سے غفلت اور بے پروائی برتی) تو وہ اس کے واسطے نہ نور بنے گی 'نہ برہان اور نہ ذریعہ نجات' اور وہ بدبخت قیامت میں قارون' فرعون' ہامان اور (مشرکین مکہ کے سرغنہ) اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔''

نماز دین اسلام کا رکن اعظم ہے۔ اس کی اہمیت اس بات سے واضح ہے کہ قرآن مجید میں بار بار اس کی ادائیگی کا حکم ہے۔ یہ مسلمان کی علامت ہے 'کیونکہ ایک حدیث میں کفر اور اسلام کا فرق نماز کو بتایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُمت کے صلحاء و اتقیاء نے عمر بھر نماز کی پابندی کی ہے۔ بزرگانِ دین میں سے ایسا کوئی نہیں جس نے نماز کی ادائیگی میں غفلت کی ہو' بلکہ مقربین بارگاہِ الٰہی کی اوّلین نشانی نماز ہی ہے اور ہمیں قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں میں کوئی فرد بے نماز نظر نہیں آتا۔

نماز کسی کو معاف نہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ نے حیاتِ طیبہ کے آخری لمحات تک نماز ادا

کی اور یہی طریقہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اختیار کیا۔ اقامت صلوٰۃ تقرب الی اللہ کا وسیلہ ہے جبکہ ترک صلوٰۃ انتہائی بد بختی اور خدا کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ علیہ ''حجۃ اللہ البالغہ ''میں نماز کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اعلم ان الصلوۃ اعظم العبادات شأنا واوضحہا برھاناً واشہرھا فی الناس وانفعہا فی النفس ولذلک اعتنی الشارع ببیان فضلہا وتعیین اوقاتہا وشروطہا وارکانہا وادابہا ورخصہا ونوافلہا اعتناء عظیما لم یفعل سائر انواع الطاعات وجعلہا من اعظم شعائر الدین۔

''جان لو کہ نماز اپنی عظمت شان اور مقتضائے عقل و فطرت ہونے کے لحاظ سے تمام عبادات میں خاص امتیاز رکھتی ہے اور خدا شناس و خدا پرست انسانوں میں سب سے زیادہ معروف و مشہور اور نفس کے تزکیہ اور تربیت کے لیے سب سے زیادہ فائدہ مند ہے اور اسی لیے شریعت نے اس کی فضیلت ' اس کے اوقات کی تعیین و تحدید ' اس کے شرائط و ارکان اور آداب و نوافل اور اس کی رخصتوں کے بیان کا وہ اہتمام کیا ہے جو عبادات و طاعات کی کسی دوسری قسم کے لیے نہیں کیا اور انہی خصوصیات و امتیازات کی وجہ سے نماز کو دین کا

عظیم ترین شعار اور امتیازی نشان قرار دیا گیا ہے۔''

نماز رسول اللہ ﷺ کی پسندیدہ عبادت تھی جسے آپ ؐ نے آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا ہے۔ ایک نماز پڑھ چکنے کے بعد آپ کو اگلی نماز کا انتظار رہتا تھا۔ نماز دراصل اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی ہے۔ آپ ﷺ نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا ہے ۔نماز روحانی ترقی کا ذریعہ ہے۔ یہ برائیوں سے روکتی اور فحش کاموں سے دور رکھتی ہے' اخلاق حسنہ پیدا کرتی ہے۔ نماز روح کو تقویت بخشنے کے ساتھ ساتھ کئی اعتبارات سے جسمانی صحت کے لیے بھی مفید ہے۔نماز کے لیے وضو لازم ہے اور وضو انسان کے جسم کو پاک و صاف رکھتا اور گندگی سے بچاتا ہے۔

نماز اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا پر مشتمل ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ دعا کی جاتی ہے اور دعا سراسر عبادت ہے ۔پھر انسان کو عبادت ہی کے لیے توپیدا کیا گیا ہے۔ اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نماز سے غافل شخص اپنے مقصد تخلیق سے ہی آگاہ نہیں اور یہ انتہائی بد نصیبی کی بات ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہما) سے روایت کردہ اس حدیث میں بتایا

گیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز کے بارے میں گفتگو فرماتے ہوئے نماز کو قیامت کے دن کا نور قرار دیا۔ قیامت کا دن کتنا ہولناک ہوگا' اس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قیامت کی ان تاریکیوں میں نماز روشنی کا کام دے گی۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں قیامت کے روز اپنی اُمت کے افراد کو اس طرح پہچان لوں گا کہ ان کے وضو کے اعضاء اس دن روشن ہوں گے۔ اور یہ وہی لوگ ہوں گے جو نماز پابندی سے ادا کرتے ہوں گے۔ اندھیرے میں روشنی ملنے کی قدر و قیمت وہی جان سکتا ہے جسے دنیا میں کسی وقت اندھیرے سے پالا پڑا ہو اور اس وقت وہ آگے قدم بڑھانے کے قابل بھی نہ رہا ہو۔

آپ ﷺ نے فرمایا نماز دلیل ہوگی۔ یعنی آدمی کے ایمان اور اللہ تعالیٰ سے اس کی وفاداری اور اطاعت شعاری کی علامت ہوگی اور اس بات پر شہادت دے رہی ہوگی کہ اس بندے نے اپنے خالق و مالک کی یاد میں زندگی گزاری ہے اور یہ ذکر الٰہی سے غافل نہیں رہا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز قیامت کے دن نجات کا سبب بنے گی۔ ظاہر ہے جس شخص کو قیامت کے دن کامیاب قرار دیا گیا اس سے زیادہ خوش بخت اور نصیبے والا اور کون ہو سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بے نمازی کے حرمان اور بد نصیبی کا بھی ذکر فرمایا کہ جس شخص نے نماز کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کیا' بلکہ غفلت اور بے پروائی کا رویہ اختیار کئے رکھا وہ قیامت کے اندھیرے میں روشنی سے محروم رہے گا ۔جس کے پاس نماز کا توشہ نہ ہوگا وہ وفاداری کی دلیل کہاں سے لائے گا۔ لہٰذا اس کے پاس اطاعت شعاری اور عبادت گزاری کا کوئی ثبوت نہ ہوگا اور نتیجتاً وہ نجات بھی حاصل نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ روزِ قیامت سب سے پہلے

نماز ہی کے بارے میں پوچھا جائے گا اور جو اُس موقع پر تہی دست پایا گیا اس کی ناکامی کا اعلان کر دیا جائے گا اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے بموجب ایسے شخص کو قارون، فرعون، ہامان اور اُبی بن خلف جیسے بدترین لوگوں کا ساتھی قرار دیا جائے گا، یعنی جس سزا کے وہ مستحق ہوں گے اسی سزا کا مستحق بے نمازی ہوگا۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھنے والے کا انجام عاقبت کی کامیابی اور بے نماز کا انجامِ بد واضح کر دیا ہے۔ اب ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ نماز کی اہمیت سے آگاہ ہو کر نہ صرف خود نماز کی پابندی کرے بلکہ اپنے رشتے داروں، دوستوں اور خاص طور پر اپنے بیوی

بچوں کو نماز کی تلقین کرے، تاکہ ان کے ساتھ سچی خیر خواہی کا حق ادا ہو سکے۔ کیونکہ حقیقی خیر خواہی یہی ہے کہ کسی فرد کو ابدی عذاب سے رہائی کی راہ پر ڈال دیا جائے۔ پھر حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ نیکی کی طرف راہ نمائی کرنے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا خود نیکی کرنے والے کو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں علم و عمل کی دولت سے مالا مال کر دے اور اپنی رضا پر چلنے کی توفیق دے۔

(2) قرض کے معاملہ کی سنگینی

عَنْ سَلَمَۃَ بْنِ الْاَکْوَعِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: کُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذْ اُتِیَ بِجَنَازَۃٍ فَقَالُوْا صَلِّ عَلَیْھَا، فَقَالَ: ((ھَلْ عَلَیْہِ دَیْنٌ؟)) قَالُوْا لَا، فَصَلّٰی عَلَیْھَا، ثُمَّ اُتِیَ بِجَنَازَۃٍ اُخْرٰی ، فَقَالَ: ((ھَلْ عَلَیْہِ دَیْنٌ؟)) قِیْلَ نَعَمْ، قَالَ: ((فَھَلْ تَرَکَ شَیْئًا؟)) قَالُوْا ثَلَا ثَۃُ دَنَانِیْرَ، فَصَلّٰی عَلَیْھَا، ثُمَّ اُتِیَ بِالثَّالِثَۃِ ، فَقَالَ: ((ھَلْ عَلَیْہِ دَیْنٌ؟)) قَالُوْا ثَلَا ثَۃُ دَنَانِیْرَ، قَالَ: ((ھَلْ تَرَکَ شَیْئًا؟)) قَالُوْا لَا، قَالَ :((صَلُّوْا عَلٰی صَاحِبِکُمْ)) قَالَ اَبُوْ قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ : صَلِّ عَلَیْہِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَلَیَّ دَیْنُہٗ ، فَصَلّٰی عَلَیْہِ...(صحیح البخاری، کتاب الحوالات ، باب ان احال دین المیت علی رجل جاز) حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ایک جنازہ لایا گیا، اور عرض کیا گیا کہ حضور! اس کی نمازِ جنازہ پڑھا دیجئے! آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا اس آدمی پر کچھ قرض ہے؟'' لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ قرض نہیں ہے۔ تو آپ ﷺ نے اس کی جنازہ کی نماز پڑھا دی۔ پھر ایک دوسرا جنازہ لایا گیا، اس کے بارے میں آپ ﷺ نے پوچھا: ''اس

میت پر کسی کا قرضہ ہے؟'' عرض کیا گیا کہ ہاں اس پر قرض ہے ' تو آپ ' ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا اس نے کچھ ترکہ چھوڑا ہے(جس سے قرض ادا ہو جائے)؟'' لوگوں نے

عرض کیا کہ اس نے تین دینار چھوڑے ہیں 'تو آپ ' ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھا دی۔ پھر تیسرا جنازہ لایا گیا تو آپ ' ﷺ نے اس کے بارے میں بھی دریافت فرمایا: ''کیا اس مرنے والے پر کچھ قرضہ ہے؟'' لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں اس پر تین دینار کا قرضہ ہے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا : '' اس نے کچھ ترکہ چھوڑا ہے (جس سے قرض ادا ہو سکے)؟ ''لوگوں نے عرض کیا کچھ نہیں چھوڑا تو آپؐ نے حاضرینِ صحابہؓ سے فرمایا:'' اپنے اس ساتھی کی نمازِ جنازہ تم لوگ پڑھ لو''۔ تو حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : حضور ! اس کی نماز پڑھا دیں اور اس پر جو قرضہ ہے وہ میں نے اپنے ذمہ لے لیا (میں ادا کروں گا) تو اس کے بعد آپؐ نے اس کی جنازہ کی نماز بھی پڑھا دی۔''

بعض اوقات انسان کو ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ اس کے لیے ناگزیر ضرورت کے تحت قرض لیناضروری ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ ایسے ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے کے لیے قرضہ دینا بہت بڑے اجر و ثواب کا کام ہے، اور اگر وہ حالات سے مجبور ہو تو اسے فراخی تک مہلت دینے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور اگر اس کے فقر و فاقہ ' غربت اور ناداری کےپیش نظر قرض کی رقم معاف ہی کر دی جائے تو ایسے شخص کو رسول اللہ ﷺ نے خوشخبری دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا۔ اسی طرح قرض کے معاملے کے آداب بھی بتائے گئے ہیں کہ فریقین قرض کی دستاویز تحریر کریں جس میں قرضے کی رقم ' واپسی کی میعاد اور جملہ شرائط کا ذکر ہو اور اس تحریر پر دو مرد یا ایک مرد او دو عورتوں کو گواہ بھی ٹھہرایا جائے۔

مگر جہاں ضرورت مند کو قرض دینے کی ترغیب دی گئی ہے وہاں قرض لینے کی سخت حوصلہ شکنی کی گئی ہے ' کیونکہ قرض ایک بوجھ ہے جسے ادا کئے بغیر انسان کا چھٹکارا نہیں۔ یہ قرض خواہ کا حق ہے جو بہرحال اسے دلوایا جائے گا۔ پس حتی الوسع قرض لینے سے گریز کرنا چاہئے اور اگر کوئی سخت مجبوری پیش آجائے اور قرض لینا ضروری ہو جائے تو اپنے وسائل کا جائزہ لے کر اتنی ہی رقم قرض لینی چاہئے جس کی واپس ادائیگی ممکن نظر آرہی ہو۔ قیامت کے دن جب حساب کتاب ہو گا تو ہر حق دار کو اس کا حق دلوایا جائے گا۔ جس شخص کے ذمہ کسی کی رقم ہو گی وہ اسے کیسے ادا کرے گا' کیونکہ وہاں کسی کے پاس درہم و دینار تو نہیں ہوں گے۔ ایک حدیث کے مطابق قرض خواہ کو مقروض کے نیک اعمال کا ثواب دے کر راضی کیا جائے گا اور یہ وہ وقت ہو گا

جب ہر کسی کو اپنے نیک اعمال کے ثواب کی ضرورت ہو گی۔ اور اگر مقروض کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو قرض خواہ کے گناہ بقدرِ قرضہ قرض دار کے کھاتہ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

یہی مطلب ہے اس مشہور حدیث کا جس میں اُمت کا مفلس اُس شخص کو کہا گیا ہے جس نے نیکی کے بہت سے کام کئے مگر لوگوں کے حقوق بھی تلف کئے۔ حساب کے دن جب لوگ اس سے مطالبے کریں گے اور وہ ادائیگی نہ کر سکے گا تو اس کی نیکیاں لوگوں کو دلوائی جائیں گی' یہاں تک کہ اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی مگر حق دار ابھی موجود ہوں گے۔ اُس وقت حق داروں کے گناہ اس شخص کے ذمہ ڈال کر انہیں راضی کیا جائے گا ۔ ایسا شخص ڈھیرو نیکیوں کے باوجود جنت میں نہ جا سکے گا' کیونکہ اس نے حقوق العباد کے سلسلہ میں احتیاط سے کام نہ لیا ہو گا۔ پس معلوم ہوا کہ حقوق العباد کا معاملہ انتہائی سنگین ہے۔ اور قرض کا لین دین حقوق العباد کی ایک واضح صورت ہے جس میں قرضے کی عدم واپسی مقروض کی نجات کے راستے میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جائے گی۔

قرض کے معاملہ کی سنگینی کے پیش نظر نبی ٔ رحمت ﷺ جنازہ پڑھانے سے پہلے دریافت کرتے تھے کہ اس شخص کے ذمہ کسی کا قرضہ تو نہیں۔ چنانچہ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص کا جنازہ لایا گیا 'آپ ﷺ نے حسب معمول دریافت فرمایا کہ اس کے ذمہ قرض ہے؟ جب بتایا گیا کہ نہیں تو آپ ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھا دیا۔ پھر ایک اور جنازہ لایا گیا تو آپ ﷺ کے استفسار پر بتایا گیا کہ اس پر قرضہ تو ہے مگر وہ اس کی ادائیگی کے بقدر رقم بھی چھوڑ گیا ہے تو بھی آپ ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھا دیا۔ پھر جب تیسرا جنازہ لایا گیا تو وہ ایسے شخص کا تھا جس کے ذمہ قرض تھا اور وہ اس قرض کی ادائیگی کے بقدر مال بھی نہیں چھوڑ گیا تھا تو آپؐ نے اس کا جنازہ پڑھانے سے گریز کیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فرمایا کہ تم خود ہی اپنے ساتھی کی نماز پڑھ لو۔ اس پر حاضرین میں سے ایک صاحب نے مرنے والے کے ذمہ قرض کی رقم کی ادائیگی کی ذمہ داری لے لی تو آپؐ نے اس کی نماز جنازہ بھی پڑھا دی۔

اس واقعے سے قرض کی ذمہ داری کے بوجھ کی سنگینی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔ اس موضوع کی تائید میں رسول اللہ ﷺ کے بیشتر فرمودات ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہید ہونے والے مردِ مؤمن

کے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں سوائے قرض کے۔ صاف ظاہر ہے کہ قرض تو بندے کا حق ہے 'وہ تو بندہ ہی معاف کرے گا اور قیامت کے دن جب ماں' باپ' بھائی' بیٹا اور بیوی بھی کام نہ آئیں گے 'ہر ایک کو اپنی اپنی فکر دامن گیر ہو گی 'اس موقع پر کون اپنا حق چھوڑے گا؟

اسی طرح جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

:''مؤمن بندہ کی روح اس کے قرضہ کی وجہ سے معلق اور رکی رہتی ہے جب تک وہ قرضہ ادا نہ کر دیا جائے جو اُس کے ذمہ ہے''۔ سنن ابی دائود میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :''ان کبیرہ گناہوں کے بعد جن سے اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع فرمایا ہے (جیسے شرک 'زنا وغیرہ) سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اس حال میں مرے کہ اس پر قرض ہو اور وہ اس کی ادائیگی کا سامان چھوڑ نہ گیا ہو''۔

حضرت محمد بن عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا :''قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد(ﷺ) کی جان ہے' اگر کوئی آدمی راہِ خدا میں شہید ہو اور وہ شہادت کے بعد پھر زندہ ہو جائے 'پھر جہاد میں شریک ہو اور اُس کے بعد پھر زندہ ہو جائے 'اور پھر راہِ خدا میں شہید ہو اور پھر زندہ ہو جائے اور اس کے ذمہ قرض ہو تو وہ جنت میں اُس وقت تک نہ جا سکے گا جب تک اس کا قرض ادا نہ ہو جائے''۔

زیر درس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کا جنازہ پڑھانے سے گریز کیا جس کے ذمہ قرض تھا۔ بعد ازاں جب افلاس و ناداری کا دور ختم ہو گیا تو آپ ﷺ نے اعلان فرما دیا کہ اگر کوئی مسلمان اس حالت میں انتقال کر جائے کہ اس پر قرض ہو (اور اس نے ادائیگی کے لیے کوئی سامان بھی نہ چھوڑا ہو) تو وہ قرض میرے ذمہ ہے 'میں اس کو ادا کروں گا۔ ظاہر ہے یہ آپ ﷺ نے اس لیے فرمایا کہ آپؐ 'کو یہ بات ہرگز گوارا نہ تھی کہ کوئی مسلمان قرض کا بار لیے ہوئے دارِ فانی سے رخصت ہو اور یہ قرض اُس کی بخشش کے راستے میں رکاوٹ بن جائے۔

اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی پیش نظر رہے کہ جو آدمی لوگوں سے ادھار لے اور اس کی نیت ادا کرنے کی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے ادا کرا دے گا۔ پس عافیت اسی میں ہے کہ قرض لینے سے حتی الوسع گریز کیا جائے اور اگر کہیں شدید ضرورت کے تحت قرض لینا پڑے تو جلد واپسی کی نیت کرے اور جونہی وسعت ملے فوراً ادا کر دے۔ دوسری طرف مقروض کو مہلت دینے کی فضیلت پر بھی نگاہ رکھے اور مقروض کے ساتھ نرمی کا سلوک کر کے مالک یوم الدین

سے رحمت اور نجات کی امید رکھے۔ لواحقین اور وارثوں کے لیے بھی یہ اشد ضروری ہے کہ اگر مرنے والے کے ذمہ قرض کی رقم ہو تو وہ اس کی فوری ادائیگی کا انتظام کر کے اس کی حقیقی خیر خواہی کا ثبوت دیں۔

(3) اعمال کے تین دفتر

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: ((الدَّوَاوِیْنُ ثَلَاثَۃٌ ' دِیْوَانٌ لَا یَغْفِرُ اللّٰہُ الْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ' یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ' وَدِیْوَانٌ لَا یَتْرُکُہُ اللّٰہُ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِیْمَا بَیْنَھُمْ حَتّٰی یَقْتَصَّ بَعْضُھُمْ مِنْ بَعْضٍ' وَدِیْوَانٌ لاَّ یَعْبَأُ اللّٰہُ بِہٖ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِیْمَا بَیْنَھُمْ وَبَیْنَ اللّٰہِ ' فَذَاکَ اِلَی اللّٰہِ اِنْ شَآئَ عَذَّبَہٗ وَاِنْ شَآئَ تَجَاوَزَ عَنْہُ))
(رواہ البیہقی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نامۂ اعمال تین طرح پر ہیں' ایک نامۂ عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشے گا' اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا یہ کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ دوسرا اعمال نامہ جس کو اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑے گا' وہ ہے بندوں کا آپس میں ظلم کرنا' یہاں تک کہ ایک دوسرے سے بدلہ لے۔ تیسرا اعمال نامہ جس کی اللہ تعالیٰ پروا نہیں کرے گا' وہ ہے بندوں کا اپنے اور خدا کے درمیان ظلم کرنا' یہ اللہ کی طرف سپرد ہے' اگر چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو اُس سے درگزر کرے۔''

اس حدیث میں اعمال کے تین دفاتر کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلا دفتر تو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے' جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اس گناہ کو ہرگز نہ بخشے گا' کیونکہ اس نے خود قرآن مجید میں کھول کھول کر بیان کر دیا کہ مشرک کو بخشا نہیں جائے گا۔ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خود قرآن مجید کے الفاظ کا حوالہ دیا کہ: { اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا

عَظِیْمًا ﴿۴۸﴾} ''یہ سورۃ النساء کی آیت ۴۸ ہے جس کا ترجمہ اس طرح ہے ''اللہ اِس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے گا' اور جس نے کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرایا اس نے تو بہت بڑا جھوٹ گھڑا اور بڑے سخت گناہ کی بات کی۔''۔ اسی سورت کی آیت اسی سورت کی آیت ۱۱۶ میں دوبارہ یہی الفاظ آئے ہیں' البتہ {فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا ﴿ ۴۸ ﴾} کی بجائے {فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿ ۱۱۶ ﴾} کے الفاظ ہیں۔یعنی ''وہ تو گمراہی میں بہت دور نکل گیا''۔ ان دونوں آیات میں شرک کو ناقابلِ بخشش گناہ قرار دیا گیا ہے ۔ اسی طرح سورۃ المائدۃ کی آیت ۷۲ میں فرمایا گیا کہ'' تحقیق جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے گا اس شخص پر اللہ نے جنت حرام کر دی ہے''۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اس گناہ کی سنگینی واضح کر دی کہ لوگ اس سے بچتے رہیں۔

ایک تو وہ مشرک ہیں جو بتوں کو پوجتے ہیں یا اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی معبود مانتے ہیں۔ دوسرے وہ مشرک ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ نے کچھ دوسری ہستیوں کو بھی اختیار دے رکھا ہے اور وہ لوگوں کو نفع نقصان

پہنچا سکتی ہیں۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی لامحدود صفات میں سے کچھ مخلوق میں مانتے ہیں یا مخلوق کی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات کو بھی محدود گردانتے ہیں۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ خود مسلمان طرح طرح کے مشرکانہ افعال کا ارتکاب کرنے کے باوجود خوش فہمی میں بتلا ہیں۔ روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ توحید و رسالت کا اقرار کرنے والے اللہ کے علاوہ دوسروں کو عالم الغیب ،نفع ونقصان کا مالک، حاجت روا، ہر جگہ حاضر و ناظر اور مشکل کشا مان رہے ہیں، قبروں پر سجدہ اور طرح طرح کی خرافات میں بتلا ہیں، دوسروں کے نام کی قربانی اور نذر و نیازدیتے ہیں یا پھر فوت شدہ بزرگوں سے حاجت طلبی کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ان کی حاجت پوری کروا دیں گے۔ کیا یہ سب کچھ شرک نہیں؟ اللہ تعالیٰ تو ہر ایک کی دعا سنتا ہے ۔جس طرح وہ ہر اچھے برے کا خالق و رازق ہے اسی طرح وہ سب کی دعائوں کا سننے والا (سمیع الدعاء) بھی ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سارے کام کرنے والے کلمہ گو ہیں، حضور ﷺ کے اُمتی ہیں ،توحید و رسالت، آخرت اور معاد پر ایمان رکھتے ہیں تو یہ مشرک کیسے ہو سکتے ہیں ؟تو جان لیجئے کہ شیطان اپنے فرض سے غافل نہیں ہے، اس کی ہمہ وقت یہ کوشش ہے کہ ایمان

والوں کو سارے نیک کام نماز، روزہ وغیرہ کرنے دے لیکن ان سے مشرکانہ افعال سرزد کرا دے تاکہ ان کے نیک اعمال بیکار ہو جائیں ،کیونکہ شرک کا گناہ سارے اعمال کو اکارت کر دیتا ہے۔ سورۃ الانعام میں جلیل القدر انبیاء و رُسل کا ذکر کرنے کے بعد آیت ۸۹ میں فرمایا:

{وَ لَوۡ اَشۡرَکُوۡا لَحَبِطَ عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۸﴾}

''اگر یہ لوگ بھی شرک کرتے تو ان کے اعمال ضائع کر دیئے جاتے''۔

سورۃ الزمر میں سرور کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

{وَ لَقَدۡ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ وَ اِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۚ لَئِنۡ اَشۡرَکۡتَ لَیَحۡبَطَنَّ عَمَلُکَ وَ لَتَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۶۵﴾} (آیت ۶۵)

''(اے نبیؐ !) آپ کی طرف اور آپ سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم خسارے میں رہو گے''۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو پیشگی خبردار کر دیا ہے کہ تمہارے لیے نیک اعمال ہی کافی نہیں بلکہ شرک سے بچنا بھی ضروری ہے ،کیونکہ شیطان مؤمنوں کو بھی شرک کے ارتکاب پر اکسائے گا اور ان سے شرکیہ افعال صادر کروائے گا۔ چنانچہ سورۃ یوسف میں ہے:

{وَ مَا یُؤۡمِنُ اَکۡثَرُہُمۡ بِاللّٰہِ اِلَّا وَ ہُمۡ مُّشۡرِکُوۡنَ ﴿۱۰۶﴾} (آیت ۱۰۶)

''ان میں سے اکثر ایمان والے ایسے ہیں کہ ساتھ ہی ساتھ وہ مشرک بھی ہیں''۔
شرک کی اس سنگینی کے پیش نظر اس سے بچنا مسلمان کے لیے از حد ضروری ہے' بلکہ جہاں شرک کا شبہ بھی ہو وہاں سے کوسوں دور بھاگنا چاہیئے' جیسا کہ کوئی شخص بھی زہر نہیں کھاتا کیونکہ وہ موت کا باعث ہے' بلکہ اگر کسی چیز میں زہر کا شبہ بھی ہو جائے تو اس کو ہرگز استعمال نہیں کرتا کہ کہیں یہ چیز اُس کی موت کا سبب نہ بن جائے۔ یہ تو دنیا کی زندگی ہے۔ شرک تو وہ زہر ہے جس سے نہ ختم ہونے والی ہمیشہ ہمیش کی زندگی آگ کے عذاب کی نذر ہو جائے گی ۔ پس شرکیہ عقائد و اعمال سے بچنا اور ان سے نفرت کرنا از حد ضروری ہے۔

اس حدیث میں اعمال کا دوسرا دفتر وہ ہے جس میں لوگوں کے وہ اعمال ہیں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ بندوں نے دوسروں کے جو حقوق تلف کیے ہوں گے اللہ تعالیٰ اُن کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ حقوق غصب کرنے والوں سے حق داروں کو اُن کا حق دلوایا جائے گا۔

وہاں درہم و دینار تو ہوں گے نہیں 'لہٰذا غاصب کی نیکیاں حق دار کو دلوا کر راضی کیا جائے گا ۔ آج جو شخص کسی کی چوری کرتا ہے وہ خوش ہے کہ وہ مال چرانے میں کامیاب ہو گیا' صاحبِ خانہ کی نظروں سے بچ نکلا 'پھر پولیس بھی اسے پکڑ نہیں سکی اور وہ مزے مزے سے دوسرے کا مال ہڑپ کر رہا ہے ۔ ادھر جس کا مال چوری ہوا ہے وہ اپنے نقصان پر رنجیدہ ہے۔ جزا کے دن چور سے چوری شدہ مال کا تقاضا کیا جائے گا (کیونکہ اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے کہ فلاں شخص کی چوری کس نے کی ہے) اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر چور مال کہاں سے لا کر دے گا؟ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن بدلہ اس طرح دلوایا جائے گا کہ جس کا مال چوری ہوا اس کو چور کی نیکیاں دلوا کر راضی کیا جائے گا اور اگر چور کے پاس بدلے کے طور پر دینے کے لیے نیکیاں نہ ہوں گی تو جس کا مال چرایا گیا ہے اس کے گناہ چور کے اوپر ڈال کر عدل و انصاف کا تقاضا پورا کیا جائے گا۔ اب چور تو خسارے میں رہا اور جس کا مال چوری ہوا تھا وہ خوش ہو گیا۔ اور یہ اسلام کی تعلیم ہے کہ دنیا دھوکے کا سودا ہے۔ یہاں کا کامیاب حقیقت میں کامیاب نہیں اور یہاں کا ناکام حقیقت میں ناکام نہیں۔ حقیقی کامیاب تو وہ ہے جو آخرت میں کامیاب رہا' پس آخرت میں کامیابی اسی کی ہے جو شرک سے بچتا رہا' بلکہ جہاں شرک کا شبہ ہوا وہاں سے بھی دور بھاگا اور شرک کی مہک اور گرد سے بھی اپنے آپ کو محفوظ رکھا 'نیز حقوق العباد کے سلسلہ میں انتہائی محتاط رویہ اختیار کیا 'نہ تو کسی کو مالی نقصان پہنچایا اور نہ ہی زبان اور ہاتھ سے کسی کو اذیت دی۔ کیونکہ حقوق العباد کی تلفی تو شہید کے لیے بھی جنت میں جانے کی راہ میں رکاوٹ بن جائے گی 'جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے 'اگر کوئی آدمی راہِ خدا میں یعنی جہاد میں شہید ہو اور وہ شہادت کے بعد پھر زندہ ہو جائے اور پھر جہاد میں شہید ہو 'اور اُس کے بعد پھر زندہ ہو جائے اور

پھر راہِ خدا میں شہید ہو' اور پھر زندہ ہو اور اس کے ذمہ قرض ہو تو وہ جنت میں اُس وقت تک نہ جا سکے گا جب تک اُس کا قرض ادا نہ ہو جائے''۔ (رواہ احمد)

حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں ہمارے ہاں بہت بری رسم جاری ہے کہ بعض لوگ جائیداد میں سے بیٹیوں کو حصہ نہیں دیتے 'حالانکہ ماں باپ کی وراثت میں سے بیٹی بھی حق دار ہے اور یہ اللہ کا حکم ہے 'اس کو ٹالا نہیں جا سکتا نہ ہلکا سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر بیٹی کو وراثت سے حصہ

نہ دیا تو اب فیصلے کے دن اس کا حق دینا پڑے گا۔ اسی طرح لوگ اپنی اولاد میں سے بعض سے ناراض ہوتے ہیں تو ان کو جائیداد سے محروم کرنے کا اعلان کر کے اخبارات میں ''عاق نامہ'' شائع کروا دیتے ہیں 'حالانکہ کسی باپ کو یہ قطعاً اختیار نہیں کہ وہ اپنی اولاد میں سے کسی کو حق وراثت سے محروم کر سکے۔ ہاں صرف ایک صورت ہے کہ جب کوئی وارث اپنے مورث کو قتل کر دے تو اب وہ شرعاً اس کی وراثت کا حق دار نہیں رہتا۔یوں حدیث کے دوسرے حصہ میں حقوق العباد کی ادائیگی کی اہمیت واضح کر دی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جس کا حق ادا نہ کیا گیا وہ فیصلے کے دن دلوایا جائے گا 'جو انتہائی خسارے کا معاملہ ہو گا۔ لہٰذا یہاں جس جس کا حق تلف کیا ہو اُس کی ادائیگی کر دینی چاہیئے یا اسے راضی کر کے اس کو بخشوا لینا چاہیئے۔

حدیث میں اعمال کے تیسرے دفتر کا ذکر ہے جو حقوق اللہ پر مشتمل ہے۔ حقوق اللہ مراسمِ عبودیت' نماز ' روزہ' قربانی' طواف وغیرہ ہیں' جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان میں کوتاہی پر اللہ چاہے گا تو گرفت کرے گا اور عذاب دے گا اور چاہے گا تو بخش دے گا اور عفو و درگزر سے کام لے گا۔ حقوق اللہ کی ادائیگی بھی بہت ضروری ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ادائیگی کی بہت تاکید کی ہے۔ اور کسی حق پرست کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ٹالے اور اس کی نافرمانی پر کمر بستہ رہے' بلکہ راہِ صواب یہ ہے کہ عبادت پورے ذوق و شوق کے ساتھ کرے اور اس سلسلہ میں ہونے والی کوتاہیوں پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا رہے اور امید رکھے کہ وہ کمیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے گا۔ ویسے بھی اپنے خالق' مالک' رازق' نفع و نقصان کے مالک اور بخشش کا اختیارِ مطلق رکھنے والی ہستی کے حکم کو ٹالنا کسی طور پر جائز نہیں۔ ہا حقوق اللہ کی عدم ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لازمی گرفت اور عذاب کی وعید نہیں بلکہ وہ چاہے گا تو اس گناہ پر عذاب دے گا اورچاہے گا تو بخش دے گا۔ {یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ} کے الفاظ قرآن مجید میں کئی دفعہ دہرائے گئے ہیں۔

ہمارے اس معاشرے میں نماز روزے کو ہی اصل دین سمجھ لیا گیا ہے' جبکہ معاملات اور عقائد میں چھان بین اور احتیاط کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند لوگ ہی نیک اور پارسا سمجھے جاتے ہیں اور اکثر لوگ نماز روزے کی ادائیگی کو ہی کافی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقوق العباد میں بے احتیاطی اور شرکیہ افعال یقینی

طور پر حقیقی خسارے اور نقصان کا باعث ہیں ‘جبکہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی پر تو پھر بھی بخشش کا امکان موجود ہے۔oo

(4)نافقانہ اعمال

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو (رَضِیَ اللهُ عَنْہُمَا) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : ((اَرْبَعٌ مَنْ کُنَّ فِیْہِ کَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا‘ وَمَنْ کَانَتْ فِیْہِ خَصْلَۃٌ مِنْھُنَّ کَانَتْ فِیْہِ خَصْلَۃٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَھَا : اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ کَذِبَ وَاِذَا عَاھَدَ غَدَرَ وَ اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ)) (متفق علیہ)

’’حضرت عبد اللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’چار عادتیں ایسی ہیں کہ جس کسی میں وہ چاروں جمع ہو جائیں تو وہ خالص منافق ہے ‘اور جس میں اُن چاروں میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اُس کا حال یہ ہے کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے‘ (اور وہ اسی حال میں رہے گا) جب تک کہ اس عادت کو چھوڑ نہ دے(وہ چاروں عادتیں یہ ہیں): جب اُس کو کسی امانت کا امین بنایا جائے تو اُس میں خیانت کرے ‘اور جب باتیں کرے تو جھوٹ بولے ‘اور جب عہد معاہدہ کرے تو اُس کی خلاف ورزی کرے اور جب کسی سے جھگڑا اور اختلاف کرے تو بدزبانی کرے۔‘‘

اس حدیث میں منافق کی علامات بتائی گئی ہیں کہ وہ امانت میں خیانت کرتا ہے‘ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے ‘جب عہد کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے اور جب جھگڑا کرتا ہے تو بدزبانی پر اتر آتا ہے۔

جب ہم منافقت کا لفظ سنتے ہیں تو ذہن فوراً منافقینِ مدینہ کی طرف پلٹ جاتا ہے جن کا سردار عبد اللہ بن اُبی تھا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے مدینہ میں مہاجرین کا آنا پسند نہ کیا اور نہ ہی انصار کا قبولِ اسلام انہیں گوارا تھا ‘مگر اُن میں مسلمانوں کی مخالفت کی ہمت بھی نہ تھی۔ چنانچہ انہوں نے بظاہر اسلام قبول کرلیا مگر دل سے کافر ہی رہے۔ اس طرح وہ مسلمانوں کے ساتھ بیٹھتے اُٹھتے‘ اسلامی عبادات بجا لاتے‘ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی ان کو مسلمان ہی سمجھتے۔ مگر وہ اندر ہی اندر اسلام کی مخالفت اور مسلمانوں کی بدخواہی کے منصوبے بناتے

رہتے۔ جب لبھی ان کے کردار و عمل سے منافقت ظاہر ہوتی تو طرح طرح کے بہانے بنا کر ،قسمیں کھا کر اور جھوٹ بول کر اپنے ایمان اور اسلام کا یقین دلاتے۔ لیکن یہ منافقین کی وہ

قسم ہے جنہیں ہم اعتقادی منافق کہتے ہیں ۔جبکہ اس حدیث میں منافقین کی اس دوسری قسم کا تذکرہ ہے جو اعتقادی منافق تو نہیں مگر اُن کے اعمال منافقین جیسے ہیں ‘اگرچہ وہ توحید ورسالت کا اقرار کرتے ہیں‘ اسلام کو سچا دین سمجھتے ہیں اور قانون کی نگاہ میں مسلمان شمار ہوتے ہیں۔ اسلامی معاشرے میں بھی انہیں مسلمان سمجھا جاتا ہے اور انہیں ہر طرح کے حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ ایسے مسلمان عقیدے کے طور پر تو مسلمان ہیں مگر عملی طور پر منافق ہیں۔ اس حدیث میں ایسے ہی منافقین کی علامات بتائی گئی ہیں۔

’’نَفَقَ‘‘ عربی کا لفظ ہے ‘جس کا ایک معنی جنگلی چوہے کا اپنے بل میں آنا جانا ہے‘ جبکہ اس کے بل کو ’’نَافِقاء‘‘ کہا جاتا ہے۔ یہ بل زمین کے اندر ہی اندر ایسی سرنگ ہوتی ہے جس کے دونوں سرے کھلے ہوتے ہیں تاکہ اگر ایک طرف سے حملہ ہو تو جنگلی چوہا دوسرے راستے سے بھاگ نکلے اور جان بچانے میں کامیاب ہو جائے۔ اسی سے لفظ ’’نفاق‘‘ بنا ہے۔ اس طرح منافقت وہ طرزِ عمل ہے جس میں اپنا بچاؤپیش نظر رہے اور ذمہ داریاں اور فرائض پورے نہ کرنے پڑیں ۔ اعتقادی منافق بھی مسلمانوں کی زد سے بچنے کے لیے اسلام کا دعویٰ کرتے تھے ‘لیکن جب انفاق فی سبیل اللہ یا جہاد کا موقع آتا تو بہرطور اسے ٹالنے کی کوشش کرتے اور کئی طرح کے بہانے تراشتے تھے۔ پس ایسا مسلمان بھی عملی طور پر منافق ہے جس کا کردار و عمل اسلامی اخلاق کے مطابق نہ ہو۔ چنانچہ اس حدیث میں چار ایسے خصائل کا ذکر کیا گیا ہے جو کسی مسلمان اور مؤمن کے شایانِ شان نہیں اور اُن کو اختیار کرنے والا بھی منافق سمجھا گیا ہے۔

منافقت کے ان خصائل میں سے پہلی خصلت حضور اکرم ﷺ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ امانت میں خیانت کرتا ہے۔جبکہ مسلمان تو وہ ہے کہ اگر اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اس امانت کی پوری طرح دیکھ بھال اور حفاظت کرے اور جب مالک امانت واپس مانگے تو بلاحیل و حجت واپس کر دے۔ اگر کوئی مسلمان دوسرے کے مال میں خیانت کرتا ہے تو گویا وہ حقوق العباد کی اہمیت سے غافل ہے‘ وہ اس بات سے بے خبر ہے کہ امانت میں خیانت کے متعلق جواب دہی کرنا ہوگی۔ مال کی خیانت تو دُور کی بات ہے اسلام تو یہ کہتا ہے کہ اگر کسی نے آپ سے رازدارانہ انداز میں مشورہ کیا ہے تو وہ بھی آپ کے پاس امانت ہے‘ اس شخص کے راز کو افشا کرنا بھی امانت میں خیانت ہے ۔پس جو مسلمان امانت کے معاملے میں احتیاط نہیں

کرتا حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق وہ ایک چوتھائی منافق ہے۔

منافقت کی دوسری علامت جھوٹ بولنا بتایا گیا ہے۔ جھوٹ کبیرہ گناہ ہے۔ اس سے اجتناب کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ جھوٹ خلافِ حقیقت بات کرنے کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے جھوٹ میں بھی دراصل اپنا مفاد محفوظ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جھوٹ بول کر اور جھوٹی قسمیں کھا کر دوسرے شخص کو مطمئن کیا جاتا ہے اور اپنا مفاد حاصل کرلیا جاتا ہے۔ مگر یہ بات بھی مسلمان کے شایانِ شان نہیں کہ وہ دوسروں کے نقصان کی پروا نہ کرے بلکہ اپنا مفاد ہمہ وقت اس کے پیش نظر ہو۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دُور چلا جاتا ہے۔ (جامع ترمذی) جھوٹ بہرحال جھوٹ ہے۔ خلافِ واقعہ کہی ہوئی ہر بات جھوٹ ہے۔ اسی لیے کسی معاملے کو بیان کرتے ہوئے افراط و تفریط سے بچنا ضروری ہے۔ رپورٹنگ میں احتیاط نہایت ضروری ہے' کیونکہ اگر کوئی چیز حقیقت کے خلاف کہہ دی تو وہ جھوٹ ہو جائے گا۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن کی طبیعت اور فطرت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔ (مسند احمد و شعب الایمان للبیہقی) جھوٹ بولنے کی ہلاکت کا ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے بیان کرتا پھرے۔ (صحیح مسلم) پس سنی سنائی بات کو بلا تحقیق آگے بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے مبادا وہ بات غلط ہو اور انسان جھوٹ کا ارتکاب کر بیٹھے۔

جھوٹ بولنا اس قدر بُری بات ہے کہ اسلامی تعلیمات میں بچوں کے ساتھ بھی جھوٹ بولنے کی ممانعت ہے۔ ایک ماں نے بچے کو پکارا کہ میرے پاس آئیں تجھے ایک چیز دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بچے کو کیا دو گی؟ ''ماں نے کہا میں نے ایک کھجور دینے کا ارادہ کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''یاد رکھو! یہ بات کہنے کے بعد اگر تم بچے کو کوئی چیز بھی نہ دیتیں تو تمہارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا''۔ (سنن ابی داؤد) اسی طرح آپ ﷺ نے ہنسنے ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنے سے بھی منع کیا ہے' حتیٰ کہ جانوروں کو جھوٹا لالچ دینے سے روکا گیا ہے۔ پس آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق جھوٹ بولنا بھی منافقت کی علامت' بلکہ ایک چوتھائی نفاق ہے۔

منافقت کی تیسری علامت عہد کا پورا نہ کرنا ہے۔ کسی شخص کے ساتھ وعدہ کیا جائے تو وہ

شخص انتظار میں رہتا ہے اور جب وعدہ پورا نہ کیا جائے تو اسے پریشانی لاحق ہوتی ہے اور اکثر اوقات اسے نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پس دوسروں کو پریشان کرنا یا اُن کا نقصان کرنا کسی مسلمان کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے ایک حدیث میں عہد شکنی کو دین کے منافی کہا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو خطبہ دیا ہو اور اس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ ''جس میں امانت کی خصلت نہیں اس میں

ایمان نہیں اور جس میں عہد کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں''۔ (شعب الایمان للبیہقی)

عہد کیا ہے؟ یہ وہ اقرار ہے جو فریقین کے درمیان طے پاتا ہے اور ہر فریق اُس کی پابندی کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ غور کریں تو ہم طرح طرح کے معاہدوں کے درمیان ہیں۔ ملازم ہے تو وہ شرائط ملازمت کے مطابق کام کرنے کا پابند ہے اور مالک اس کو تنخواہ دینے کا پابند ہے۔ اسی طرح مزدور اور کارخانہ دار' گاہک اور دکاندار میں سے ہر ایک معاہدے کے مطابق اپنا فرض ادا کرنے کا پابند ہے۔ معلوم ہوا کہ حقوق العباد کا زیادہ حصہ انہی معاہدوں پر مشتمل ہے اور حقوق العباد کی ادائیگی پر اسلام میں بہت زور دیا گیا ہے۔ اگر ہر شخص اپنے فرائض کی ادائیگی میں مستعد ہو تو معاشرہ جنت نظیر بن جائے۔ یہ حقوق کی تلفی ہی ہے جو جھگڑے اور فساد پیدا کرتی ہے۔

عہد کی پابندی کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا اُسوۂ حسنہ دیکھنا ہو تو وہ واقعہ یاد کیجئے جب آپؐ نے عبد اللہ بن ابی الحمساء کے ساتھ وعدہ کر لیا کہ تم آجاؤ میں یہاں تمہارا انتظار کروں گا' مگر وہ جا کر بھول گئے' رسول اللہ ﷺ ایفائے عہد کی خاطر وہیں کھڑے اس کا انتظار کرتے رہے۔ جب عبد اللہ تین دن کے بعد وہاں آئے تو دیکھا کہ حضور ﷺ اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ عبد اللہ کو دیکھ کر آپؐ نے فرمایا: ''تم نے مجھے بڑی مشکل میں ڈالا اور بڑی زحمت دی' میں تمہارے انتظار میں تین دن سے یہیں ہوں''۔ (سنن ابی دائود) یاد رہے کہ یہ واقعہ قبل از نبوت کا ہے۔ گویا نبوت ملنے سے پہلے بھی آپ ﷺ کا کردار اس قدر بلند تھا کہ آپؐ نے اتنی مشقت برداشت کر لی لیکن عہد کی خلاف ورزی نہیں کی۔ پس ایک مسلمان کو ہرگز یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ وعدہ خلافی کرے۔ یوں وعدہ خلافی بھی منافقت کی ایک علامت ہوئی۔

منافقت کی چوتھی علامت اس حدیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ کوئی شخص بحث و تمحیص اور اختلافی جدال کی صورت میں بدزبانی اور گالی گلوچ پر اتر آئے۔ اسلام ہمیں اعلیٰ اخلاق کی تعلیم

دیتا ہے جہاں بدکلامی کی بالکل گنجائش نہیں۔ زبان کے استعمال میں نہایت احتیاط ملحوظ رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ کسی کے ساتھ اختلافی معاملہ پر گفتگو یا بحث و تمحیص کے موقع پر دلائل اور براہین کی قوت استعمال کرنا چاہئے اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہئے۔ اگر فریق مخالف میں کج فہمی اور ضد دیکھی جائے اور دلائل بے اثر نظر آئیں تو ایسے موقع پر { اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿ ٦٣ ﴾ } کے انداز میں بحث کو ختم کر کے اپنی راہ لینی چاہئے۔ ایسے موقع پر مخالف کی تیز و تند باتوں پر اسی انداز میں ردِ عمل ظاہر کرنا ہرگز مفید نہیں رہتا۔ اس سلسلہ میں اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ اپنے مخالف کی طرف سے برائی ہو تو اس کا جواب نیکی اور بھلائی کے ساتھ دیا جائے۔ اس کا اثر یہ ہو گا کہ دشمن بھی گہرا دوست بن جائے گا۔

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''پہلوان اور طاقتور وہ نہیں جو مدمقابل کو پچھاڑ دے' بلکہ پہلوان

اور شہ زور در حقیقت وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے''۔ (بخاری و مسلم) مخالفانہ ضد میں غصہ تو آتا ہے مگر ہمیں غصہ سے مغلوب ہوکر شرافت اور متانت کا دامن چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا :''غصہ شیطان کے اثر سے آتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے' لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اس کو چاہئے کہ وضو کر لے''۔ (سنن ابی دائود) پس زبان کے واہی تباہی اور بے باکانہ استعمال سے گریز کرتے ہوئے عالی ظرفی کا ثبوت دینا ہی مسلمان کے شایانِ شان ہے۔ زبان کا غلط استعمال تو نری ہلاکت ہے۔ حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ میرے بارے میں آپؐ 'کو جن باتوں کا خطرہ ہے ان میں زیادہ خوفناک کون سی چیز ہے؟ آپؐ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا :''سب سے زیادہ خطرہ اس سے ہے''۔ (ترمذی) زبان کے غلط استعمال سے جو شخص رک گیا یوں سمجھئے کہ وہ بڑی حد تک گناہوں سے بچ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا :''جو چپ رہا وہ نجات پا گیا''۔ (مسند احمد' ترمذی)

پس اس حدیث سے سبق حاصل کرتے ہوئے ان چاروں منافقانہ اعمال سے ہر طور اجتناب کرنا چاہئے۔ منافقت بہت بُرا طرزِ عمل ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: {اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ } (النساء:۱۴۵)''ضرور بالضرور یہ منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ڈالے جائیں گے''۔oo

(5) فضیلت کے تین کام

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : ((اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِیْضَ وَفُکُّوا الْعَانِیَ)) (رواہ البخاری)

حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بھوکوں کو کھانا کھلائو' بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو۔''

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تین کاموں کا حکم دیا ہے۔ اوّل بھوکوں کو کھانا کھلانا' دوم بیماروں کی عیادت کرنا ' سوم قیدیوں کو رہائی دلانا۔ یہ تینوں کام اونچے درجے کے اخلاق کے مظہر ہیں۔ ان پر عمل

کرنے والا دنیا میں عزت و احترام حاصل کرتا ہے اور آخرت میں اجر عظیم سے نوازا جائے گا۔

ان کاموں میں پہلا کام بھوکوں کو کھانا کھلانا ہے۔ بنی نوع انسان اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز ہیں۔ جہاں ان پر حقوق اللہ کی ادائیگی لازم ہے وہاں حقوق العباد پورے کرنا بھی ان پر فرض ہے۔ یوں معاشرے میں محروم طبقات کی ضروریات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اور وہ انسان تو شرفِ انسانیت سے عاری ہے جسے صرف اپنے لیے ہر طرح کی سہولیات اور آسائشیں اکٹھی کرنے کی دھن لگی ہوئی ہو اور وہ معاشرے میں موجود فقراء' مساکین اور مفلس لوگوں کی تکالیف اور مشکلات سے کوئی سروکار نہ رکھتا ہو۔ ایسا بے حس انسان نہ صرف انسانیت کے نام پر داغ ہے بلکہ اس کا مقام حیوانات سے بھی بدتر ہے 'کیونکہ ہمدردی' خیر خواہی اور دردِدل کے جذبات ہی انسانیت کا طرۂ امتیاز ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دردِدل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

سورۃ المدثر میں ذکر ہے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو جنتی دوزخیوں سے پوچھیں گے ''تمہیں کون سی چیز دوزخ میں لے گئی؟'' اس پر وہ جواب دیں

گے ''ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور فقیروں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور اہل باطل کے ساتھ مل کر (حق سے) انکار کرتے تھے اور روزِ جزا کو جھٹلاتے تھے''۔ یہاں خود دوزخی لوگ جن کاموں کو دوزخ میں پہنچانے کا سبب بتاتے ہیں ان میں پہلی بات نماز کا نہ پڑھنا ہے۔ یہ اللہ کے حق کو ضائع کرنا ہے۔ اور دوسری بات بھوکوں کو کھانا نہ کھلانا ہے اور یہ حقوق العباد کی تلفی ہے۔ پھر فضول قسم کے بحث مباحثے میں الجھنا اور آخرت کی باز پرس سے بے نیاز ہو کر منکرات پر دلیر ہونا یہ ساری باتیں دوزخ میں لے جانے والی ہیں۔ جب آدمی بھوک سے بیتاب ہو تو اُس پر کیا گزرتی ہے؟ کیا کوئی ایمان والا بھوکے آدمی کی بھوک کو نظر انداز کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ علیہ تفہیم القرآن میں اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی انسان کو بھوک میں بتلا دیکھنا اور قدرت کے باوجود اُس کو کھانا نہ کھلانا اسلام کی نگاہ میں کتنا بڑا گناہ ہے کہ آدمی کے دوزخی ہونے کے اسباب میں خاص طور پر اس کا ذکر کیا گیا ہے''۔ یہ اس لیے کہ روزی کی فراوانی اور تنگی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مفلس اور نادار لوگوں کی روزی دنیا میں مالداروں کے رزق میں شامل کر دی گئی ہے اور انہیں تلقین کی گئی ہے کہ یہ حق حق داروں کو پہنچائیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے: {وَ فِیۡۤ اَمۡوَالِہِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الۡمَحۡرُوۡمِ ﴿۱۹﴾} (الذّٰریٰت:۱۹) ''اور ان کے مال میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والے مفلسوں کا حصہ ہے۔''

پس لازم ہوا کہ خوشحال اور مالدار لوگ معاشرے کے پسے ہوئے اور دبے ہوئے لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھیں۔ دیکھئے سورۃ الماعون میں ایک برے کردار کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے :{وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾} ''اور وہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا''۔ تو بھوکے کو کھانا نہ کھلانا اخلاقی اعتبار سے بھی انتہائی گھٹیا حرکت ہے۔ یہاں طعام المسکین کے الفاظ قابل غور ہیں۔ یہ مرکب اضافی ہے۔ اس کا معنی ہے مسکین کا کھانا ‘یعنی صاحب ثروت اور دولت مند لوگوں کے مال میں مسکین کا کھانا شامل کر دیا گیا ہے۔ صاحبِ مال کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف خود بھوکوں کو اُن کا کھانا دے بلکہ دوسروں کو بھی اس اہم کام کی ترغیب دے۔ اسی بات کو سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۲۶ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

{وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ...}

''اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو اُن کا حق دو۔''

یعنی محروم لوگوں کی خبرگیری کرنا مالداروں پر فرض ہے اور فرض کا ادا نہ کرنا نافرمانی ہے ۔ رسول اللہ ﷺ نے بھوکے کو کھانا کھلانے کی بڑی فضیلت بیان کی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :''جس مسلمان نے کسی دوسرے مسلمان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلایا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل اور میوے کھلائے گا اور جس مسلمان نےپیاس کی حالت میں دوسرے مسلمان کو پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی سربمہر شراب طہور پلائے گا''۔ (سنن ابی دائود‘ جامع الترمذی)

دوسری بات جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے وہ ہے مریض کی عیادت کرنا۔ یہ آسان سا کام ہے مگر اجر و ثواب کے اعتبار سے اس کی بڑی عظمت بیان کی گئی ہے۔ دنیا میں دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ کبھی انسان تندرست ہوتا ہے تو کبھی بیمار۔ بیماری کی حالت میں انسان کو ہمدردی کے کلمات اور حوصلہ افزا الفاظ چین اور اطمینان فراہم کرتے ہیں‘ جبکہ عیادت کرنے والے کے لیے یہ کام ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود بیمار کی بیمار پرسی کے لیے جاتے‘ اس کے پاس تھوڑی دیر ٹھہرتے اور حوصلہ افزا کلمات کہہ کر اسے تسلی دیتے۔ آپ نہ صرف مسلمانوں کی عیادت کے لیے جاتے بلکہ غیر مسلموں کی بیمار پرسی کے لیے بھی چلے جاتے تھے۔ آپؐ کے اخلاق کی یہ بلندی بعض لوگوں کے اسلام قبول کرنے کا باعث بھی بن گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بھی مریض کی عیادت کی تلقین کی ہے اور اس کے علاوہ کئی دوسرے موقعوں پر اس کام کی فضیلت بتائی ہے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :''بندہ مؤمن جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو وہ واپس آنے تک گویا جنت کے باغ میں ہوتا ہے''۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم کسی مریض کے پاس جائو تو اُس کی عمر کے بارے میں اس کا دل خوش کرو (یعنی اس کے ساتھ حوصلہ افزا باتیں کرو) ۔اس طرح کی باتیں کسی ہونے والی چیز کو روک تو نہ سکیں گی لیکن اس سے اس کا دل خوش ہو گا''۔ (جامع الترمذی' سنن ابن ماجہ)

دوسروں کا دل خوش کرنا خود بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس بندے نے کسی مریض کی عیادت کی تو اللہ کا منادی آسمان سے پکارتا ہے کہ تو مبارک 'اور عیادت کے لیے تیرا چلنا مبارک 'اور تو نے یہ عمل

کر کے جنت میں اپنا گھر بنا لیا''۔ (سنن ابن ماجہ)

تیسری بات جس کا اس حدیث میں حکم دیا گیا ہے وہ ہے قیدیوں کو رہائی دلانا۔ بعض اوقات کسی شخص کو ناحق قید میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ایسا شخص اس بات کا حق دار ہے کہ اس کی رہائی کے لیے جدوجہد کی جائے اوراس کام کے لیے وقت اورپیسہ خرچ کر کے اسے ناحق سزا سے چھڑا کر آزاد کرایا جائے۔ قرآن حکیم میں ہے: {فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾ اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِیۡ یَوۡمٍ ذِیۡ مَسۡغَبَةٍ ﴿١۴﴾ } (البلد:۱۴،۱۳) ''گردنوں کا چھڑانا 'یا بھوک کے دن کھانا کھلانا ''۔یعنی یہ کام بہت بڑے اجر کے ہیں۔ قیدیوں میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو کسی حادثے کے سبب یا ناموافق حالات کے باعث زیربار ہو گئے ہوں اور اُن کے وسائل اس قابل نہ ہوں کہ وہ اس افتاد سے آزاد ہو سکیں۔ غلام یا باندی کا آزاد کرانا' قرض دار کا قرض اتارنا' تاوان کی زد میں آئے ہوئے کی مدد کرنا سب فک العانی کا مدعا پورا کرتے ہیں۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن پر کسی کی ضمانت دینے کی وجہ سے مالی بوجھ پڑ گیا ہو اور اُن میں اس کی ادائیگی کی سکت نہ ہو۔ پس یہاں بھی مساکین اور فقراء کی مالی مدد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ وہ زندگی کی پریشانیوں اور مشکلات سے نکل سکیں ۔پھر اس کام میں مال خرچ کرنے کی بہت بڑی فضیلت ہے ۔اور حد تو یہ ہے کہ ایسے انفاق سے مال میں کمی نہیں آتی' بلکہ اجر و ثواب کے علاوہ مال میں بھی برکت ہوتی ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ سخی ہمیشہ سخی رہتا ہے' مال خرچ کرنے کے باوجود اُس کا مال کم نہیں ہوتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی (بلکہ اضافہ ہوتا ہے)''۔ (صحیح مسلم)

(6)فوت شدگان کے لیے دعائے مغفرت کی اہمیت

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : ((مَا الْمَیِّتُ فِی الْقَبْرِ اِلَّا کَالْغَرِیْقِ الْمُتَغَوِّثِ یَنْتَظِرُ دَعْوَۃً تَلْحَقُہٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِیْقٍ ' فَاِذَا لَحِقَتْہُ کَانَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا ' وَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَیُدْخِلُ عَلٰی اَھْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَائِ اَھْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ ' وَاِنَّ ھَدِیَّۃَ

الْاَحْیَائِ اِلَی الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَھُمْ)) (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قبر میں مدفون مردے کی مثال بالکل اُس شخص کی سی ہے جو دریا میں ڈوب رہا ہو اور مدد کے لیے چیخ و پکار کر رہا ہو۔ وہ بے چارہ انتظار کرتا ہے کہ ماں یا باپ یا بھائی یا کسی دوست آشنا کی طرف سے دعائے رحمت و مغفرت کا تحفہ پہنچے۔ پس جب کسی طرف سے اس کو دعا کا تحفہ پہنچتا ہے تو وہ اس کو دنیا ومافیہا سے زیادہ عزیز و محبوب ہوتا ہے اور دنیا میں رہنے بسنے والوں کی دعاؤں کی وجہ سے قبر کے مردوں کو اتنا عظیم ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے جس کی مثال پہاڑوں سے دی جا سکتی ہے اور مردوں کے لیے زندوں کا خاص ہدیہ ان کے لیے دعائے مغفرت ہے۔''

بخشش اور مغفرت کا ہر شخص محتاج ہے ،کیونکہ کوئی شخص بھی اپنے نیک اعمال کی بدولت نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ کسی شخص کے اعمال اس درجہ کامل نہیں ہو سکتے کہ وہ جنت کا مستحق قرار دیا جا سکے ،کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہر بندے پر اتنے احسانات ہیں کہ وہ حد درجہ عبادت اور فرمانبرداری کر کے بھی ان کا بدلہ نہیں اتار سکتا۔ لہٰذا یہ تعلیم دی گئی ہے کہ بندہ اللہ کے احکام کی ممکن حد تک تعمیل کرے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی کوتاہیوں پر بخشش بھی مانگتا رہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک بار ارشاد فرمایا تھا کہ کوئی بندہ اپنے اعمال کی بدولت جنت میں نہیں جا سکتا۔ جب کسی نے پوچھا کہ کیا حضور ﷺ آپ بھی؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''ہاں میں بھی ،اِلّا یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے ڈھانپ لے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ معروف کی پیروی کرنا اور منکرات سے بچنا انتہائی ضروری ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ مغفرت کی درخواست کرنا بھی ہر وقت کا معمول ہونا چاہئے ،کیونکہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے کہ بندہ نیک اعمال اختیار کرنے کے باوجود اپنی کوتاہیوں ، غلطیوں اور خامیوں پر اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتا رہے اور بخشش مانگتا رہے۔ خود قرآن مجید میں استغفار کی تاثیر اِن الفاظ میں مذکور ہے:

{وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿ ۳۳ ﴾} (الانفال:۳۳)

''اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ وہ بخشش مانگیں اور پھر بھی وہ انہیں عذاب دے''۔
چنانچہ ہر بندے کو اِس سہولت سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ احادیث میں وارد ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ ہر دن میں کثرت کے ساتھ استغفار کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
''خدا کی قسم! میں دن میں ستر دفعہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ اور استغفار کرتا ہوں''۔ (صحیح البخاری)
اپنے لیے بخشش مانگنا تو ہے ہی مگر دوسروں کے لیے بخشش کی دعا کرنے کی بھی تلقین کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں نہ صرف اس کا حکم دیا گیا بلکہ استغفار کے کلمات بھی سکھائے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر:
{رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾} (ابراھیم:۴۱)
''اے ہمارے پروردگار! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب ایمان والوں کو حساب کے دن۔''
نیز دوسروں کے لیے بخشش مانگنا خود اپنے حق میں بھی بے انتہا مفید ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بندہ عام ایمان والوں اور ایمان والیوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے گا اس کے لیے ہر مومن مرد و عورت کے حساب سے ایک ایک نیکی لکھی جائے گی''۔ (معجم کبیر للطبرانی)
جو شخص فوت ہو جاتا ہے اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے 'اب وہ کوئی نیک کام نہیں کر سکتا۔ نہ وہ نمازیں پڑھ سکتا ہے' نہ روزے رکھ سکتا ہے 'نہ وہ مسکین کو کھانا کھلا سکتا ہے اور نہ ہی کسی ضرورت مند کے کام آسکتا ہے' مگر نیکیوں کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ اب یا تو اسے باقیات الصالحات نفع پہنچا سکتی ہیں یا پھر پیچھے رہنے والوں کا استغفار اس کے لیے فائدہ مند ہوسکتا ہے۔ باقیات الصالحات سے مراد تو مرنے والے کے وہ نیک اعمال ہیں جن کی نفع رسانی جاری رہتی ہے ۔مثلاً کسی کو نیک کام پر لگایا' تو جب تک وہ نیک عمل کرتا رہے گا اس شخص کو بھی اس کا ثواب ملتا رہے گا۔ کسی کو دین کا علم سکھایا اور اس نے آگے دوسروں کو وہ علم سکھایا' یا مسجد' مدرسہ یا ہسپتال قائم کر دیا اور اس سے لوگوں کو مسلسل فائدہ پہنچ رہا ہے تو ان نیکیوں کا ثواب مرنے والے کو بھی لگاتار پہنچتا رہے گا۔ اندازہ کیجئے کہ جب وہ خود دارالعمل سے گزر چکا اور اب وہ کسی طرح کی نیکی از خود نہیں کر سکتا تو اس کو پیچھے کی ہوئی نیکیوں کا ثواب ملے گا تو اس کی روح کو کس قدر خوشی ہو گی! اسی طرح مرنے والے کے پیچھے رہنے والے جب اس کے لیے مغفرت

طلب کرتے ہیں تو اس کا بھی اسے حد درجہ فائدہ پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی مومن فوت ہوتا ہے تو دفن ہونے سے پہلے اس کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے جو نہ صرف اس کے لیے مغفرت کی دعا ہے بلکہ جملہ زندوں اور مُردوں کے حق میں بھی بخشش کی التجا ہے۔ یہ نمازِ جنازہ میت کے لیے بخشش کا باعث تو ہے ہی خود نماز جنازہ پڑھنے والا بھی اللہ کے ہاں بڑا اجر پاتا ہے۔ حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ‘رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جس مسلمان بندے کا انتقال ہو جائے اور مسلمانوں کی تین صفیں اس کی نماز جنازہ پڑھیں (یعنی اس کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں) تو ضرور ہی اللہ تعالیٰ اس بندے کے واسطے (مغفرت) واجب کر دیتا ہے‘‘۔(سنن ابی دائود)

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ ’’جس میت پر مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نماز پڑھے جن کی تعداد سو تک پہنچ جائے اور وہ سب اللہ کے حضور میں اس کے لیے سفارش کریں ‘یعنی مغفرت اور رحمت کی دعا کریں‘ تو اُن کی یہ سفارش اور دعا ضرور ہی قبول ہو گی ‘‘۔ (صحیح مسلم)

اسی طرح اور بھی بہت سی احادیث میں نماز جنازہ پڑھنے اور میت کے حق میں دعائے مغفرت کرنے کی فضیلت مذکور ہے۔

زیر درس حدیث میں مُردے کی بے بسی کو واضح کیا گیا ہے کہ گویا وہ ڈوبنے والے کی مانند ہے جو مدد کے لیے چیخ و پکار کر رہا ہو کہ کوئی اس کی مدد کو پہنچے ‘کیونکہ مرنے والا خود تو کسی طرح کا عمل کر نہیں سکتا، البتہ زندہ لوگ اس کے لیے بخشش کی دعا کر کے اس کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں‘ چنانچہ مرنے والا اس بے بسی اور بے چارگی میں انتظار کرتا ہے کہ اس کے ماں باپ‘ بھائی یا کسی دوست کی طرف سے اسے مغفرت اور رحمت کی دعا کا تحفہ پہنچے اور اس آڑے وقت میں اس کے کام آئے ۔ پس اُس عالَم میں جب کسی زندہ کی طرف سے اسے دعا کا تحفہ پہنچتا ہے تو وہ اسے دنیا ومافیہا سے زیادہ عزیز اور محبوب ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ ایسی پائیدار نیکیاں کرو جو مرنے کے بعد بھی مسلسل ثواب کا سبب بنیں اور اپنے موتی کے لیے کثرت کے ساتھ دعائے مغفرت کرو تاکہ بے بسی کے وقت ان کے کام آسکیں۔ پھر اس حدیث میں آپ نے دیکھا کہ زندوں کی طرف سے استغفار کے اس تحفہ پر قبر والوں کو اتنا

ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے جس کی مثال پہاڑوں سے دی جا سکتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ استغفار کے جن الفاظ کو ہم زبان پر بڑے ہلکے پھلکے محسوس کرتے ہیں اہل قبور کے حق میں ان کا منافع بے حد و حساب ہے۔

استغفار کے الفاظ کے اختصار اور زبان سے ادائیگی میں سہولت کی وجہ سے عام آدمی اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں لگا سکتا اور مطمئن نہیں ہو پاتا' اور سمجھتا ہے کہ اتنے سے کیا ہوگا۔ لہٰذا اہلِ قبور کو ''ایصالِ ثواب'' کے لیے لوگ مختلف ناموں سے تقریبات منعقد کر کے اپنے آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح وہ وقت بھی صرف کرتے ہیں' پیسے بھی خرچ کرتے ہیں اور طرح طرح کے تکلفات سے بھی کام لیتے ہیں' مگر یہ طریقے نہ تو مسنون ہیں اور نہ ہی ان پر اجر کا وعدہ ہے' بلکہ علمائے حق کے نزدیک یہ سراسر بدعات ہیں۔ پھر اصل کو چھوڑ کر بے اصل کی طرف رجوع کرنا ہرگز دانش مندی نہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ اہل قبور کو نفع پہنچانے کا وہ آسان' سہل اور ہلکا پھلکا طریقہ اختیار کریں جو مسنون ہے اور جس کا فائدہ موعود اور یقینی ہے' کیونکہ اس کی خبر خود رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ ہاں' استغفار کے علاوہ کوئی ایسا نیک کام کرنا جس میں مال خرچ ہوتا ہو' ایسے نیک کام بھی علماء کے نزدیک اہل قبور کو ثواب پہنچانے کے لیے کرنا جائز ہیں' مثلاً کسی فوت شدہ عزیز کی طرف سے کسی بھوکے کو کھانا کھلانا' غریب مسکین کی امداد کرنا' ضرورت مند کو کپڑا پہنانا' افادۂ عام کے لیے دواخانہ بنانا' دینی مدارس کے طلبہ پر خرچ کرنا' مسجد بنوانا' مسجد کی ضروریات پر خرچ کرنا وغیرہ۔ یہ وہ کام ہیں جن میں پیسے تو خرچ ہوتے ہیں مگر کسی تقریب کے منعقد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ پھر اسلام کا مزاج بھی یہی ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو مشکلات میں نہیں ڈالتا' بلکہ سہولت اور آسانی کی تعلیم دیتا ہے اور بے جا اخراجات اور فضول کاموں میں تضییع اوقات سے روکتا ہے' بلکہ بلاضرورت خرچ کرنے والوں کو تو قرآن میں اخوان الشیٰطین (شیطانوں کے بھائی) کہا گیا ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہئے کہ اپنے فوت شدگان کے حق میں دعائے مغفرت پر اکتفا کریں اور اس کی تاثیر پر یقین رکھیں کہ یہی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

(7) اللہ کے تین اٹل فیصلے

عَنْ اَبِیْ کَبْشَۃَ الْاَنْمَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ : ((ثَلَاثٌ اُقْسِمُ عَلَیْھِنَّ وَاُحَدِّثُکُمْ حَدِیْثًا فَاحْفَظُوْہُ : فَاَمَّا الَّذِیْ اُقْسِمُ عَلَیْھِنَّ فَاِنَّہٗ مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَۃٍ ' وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلِمَۃً صَبَرَ عَلَیْھَا اِلَّا زَادَہُ اللّٰہُ بِھَا عِزًّا ' وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَۃٍ اِلَّا فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْھَا بَابَ فَقْرٍ' وَاَمَّا الَّذِیْ اُحَدِّثُکُمْ فَاحْفَظُوْہُ ' فَقَالَ : اِنَّمَا الدُّنْیَا لِاَرْبَعَۃِ نَفَرٍ : عَبْدٍ رَزَقَہُ اللّٰہُ

مَالًا وَعِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِيْ فِيْهِ رَبَّهٗ وَيَصِلُ رَحِمَهٗ وَيَعْمَلُ لِلّٰهِ فِيْهِ بِحَقِّهٖ ، فَهٰذَا بِاَفْضَلِ الْمَنَازِلِ ، وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ عِلْمًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ مَالًا فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ ، يَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِيْ مَالاً لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ ، فَاَجْرُهُمَا سَوَائٌ ، وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا فَهُوَ يَتَخَبَّطُ فِيْ مَالِهٖ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَا يَتَّقِيْ فِيْهِ رَبَّهٗ وَلَا يَصِلُ فِيْهِ رَحِمَهٗ وَلَا يَعْمَلُ فِيْهِ بِحَقٍّ ، فَهٰذَا بِاَخْبَثِ الْمَنَازِلِ ، وَعَبْدٍ لَمْ يَرْزُقْهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا فَهُوَ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِيْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِيْهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ ، فَهُوَ نِيَّتُهٗ وَوِزْرُهُمَا سَوَائٌ)) [رواه الترمذی]

حضرت ابوکبشہ انماری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا :''تین باتیں ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں' اور ان کے علاوہ ایک اور بات ہے جس کو میں تم سے بیان کرنا چاہتا ہوں' پس تم اس کو یاد کرلو !جن تین باتوں پر میں قسم کھاتا ہوں وہ یہ ہیں: (۱)کسی بندہ کا مال صدقہ کی وجہ سے کم نہیں ہوتا' اور (۲)نہیں ظلم کیا جائے گا کسی بندہ پر ایسا ظلم جس پر وہ مظلوم بندہ صبر کرے' مگر اللہ تعالیٰ اس کے عوض بڑھا دے گا اس کی عزت 'اور (۳)نہیں کھولے گا کوئی بندہ سوال کا دروازہ' مگر اللہ کھول دے گا اس پر فقر کا دروازہ۔ اور جو بات میں ان کے علاوہ تم سے بیان کرنا چاہتا تھا 'جس کو تمہیں یاد کر لینا اور یاد رکھنا چاہئے 'وہ یہ ہے کہ دنیا چار قسم کے آدمیوں کے لیے ہے [یعنی دنیا میں چار قسم کے آدمی ہیں] (۱) وہ بندے جن کو اللہ نے مال دیا ہے

'اور (صحیح طریقِ زندگی) کا علم بھی ان کو دیا ہے' پس وہ اس مال کے صرف و استعمال میں اللہ سے ڈرتے ہیں' اور اس کے ذریعے صلہ رحمی کرتے ہیں' اور اس میں جو عمل اور تصرف کرنا چاہئے اللہ کی رضا کے لیے وہی کرتے ہیں۔ پس ایسے بندے سب سے افضل و اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں۔ اور (۲) وہ بندے ہیں جن کو اللہ نے صحیح علم تو عطا فرمایا ہے' لیکن ان کو مال نہیں دیا' پس ان کی نیت صحیح اور سچی ہے' اور وہ اپنے دل و زبان سے کہتے ہیں کہ ہمیں مال مل جائے تو ہم بھی فلاں کی طرح اس کو کام میں لائیں' پس ان دونوں کا اجر برابر ہے ۔اور (۳) وہ لوگ ہیں' جن کو اللہ نے مال دیا' اور اس کے صرف و استعمال کا صحیح علم نہیں دیا' پس وہ نادانی کے ساتھ اور خدا سے بے خوف ہو کر اس مال کو اندھا دھند غلط راہوں پر خرچ کرتے ہیں' اس کے ذریعے صلہ رحمی نہیں کرتے' اور جس طرح اس کو صرف و استعمال کرنا چاہئے اس طرح نہیں کرتے' پس یہ لوگ سب سے بُرے مقام پر ہیں۔ اور (۴) وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے مال بھی نہیں دیا اور صحیح علم بھی نہیں دیا'پس ان کا حال یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمیں مال مل جائے تو ہم بھی فلاں شخص کی طرح اور اسی کے طریقے پر صرف کریں۔ پس یہی ان کی نیت ہے اور ان دونوں گروہوں کا گناہ برابر ہے۔'' اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی قسم کھا کر تین باتیں بتائی ہیں۔ آپؐ کی ذات تو وہ ہے کہ اعلانِ نبوت سے قبل بھی لوگ آپؐ کو صادق اور امین کہتے تھے۔ آپؐ کی پوری زندگی صدق و صفا کی مظہر تھی۔تو یہاں آپ ﷺ نے اپنی بات کو مؤکد کرنے کے لیے قسم کیوں کھائی ہے۔ اس کی وجہ بظاہر یہ

نظر آتی ہے کہ یہ تینوں باتیں مشاہدہ کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ اب عام آدمی تو مشاہدہ کے خلاف دکھائی دینے والی بات پر یقین کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ لہٰذا آپؐ نے قسم کے ساتھ ان باتوں کی سچائی واضح کر دی تاکہ جس شخص کو آپ ﷺ کے صدق پر یقین ہو وہ ان باتوں کو سچ جانے اور اس کے مطابق عمل کر کے آپؐ کے بتلائے ہوئے نتائج پر مطمئن ہو سکے۔ اگرچہ ذرا گہرا مشاہدہ بھی حضور اکرم ﷺ کی بات کی تصدیق ہی کرے گا۔

دیکھئے پہلی بات جس پر آپؐ نے قسم کھائی ہے یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی۔ بظاہر تو خرچ کرنے سے مال کم ہوتا ہے ‘جس کے پاس ایک ہزار روپیہ ہو وہ اس میں سے ایک سو اللہ کی راہ میں دے دے تو اس کے پاس ۹۰۰ روپے باقی رہ جائیں

گے۔ تو دینے سے مال میں کمی تو سمجھ میں آ رہی ہے ‘مگر حدیث میں اس کی نفی کی جا رہی ہے ۔ تھوڑا سا غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کرتے ہیں ان کا مال نہ تو کم ہوتا ہے اور نہ ختم ہوتا ہے ‘بلکہ سخی کبھی مفلس نہیں ہوتا۔ لگاتار خرچ کرنے کے باوجود وہ سخی ہی رہتا ہے۔ تو یوں حضور ﷺ دراصل اللہ تعالیٰ کی عادت بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ مفلسی سے دور رکھتا ہے۔ اللہ پاک ان کی روزی میں برکت دیتا ہے اور ان کو خزانہ غیب سے یوں عطا کرتا ہے کہ خرچ کرنے والے کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ اس کی مثال دیکھنا ہو تو کسی بھی فیاض آدمی کے حالات کا جائزہ لے کر دیکھ لیجئے۔ اللہ کے سچے کلام میں یہ آیت موجود ہے :

{وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ} (الطلاق:۳)

’’اور وہ اس کو روزی دیتا ہے جہاں سے اسے خیال بھی نہ ہو۔‘‘

دوسری بات جس پر آپ ﷺ نے قسم کھائی ہے یہ ہے کہ جس شخص پر دنیا میں ظلم روا رکھا جائے اور وہ اس زیادتی پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ فرماتے ہیں۔ یہاں بھی سرسری طور پر دیکھا جائے تو بات خلافِ واقعہ معلوم ہوتی ہے ‘کیونکہ ظلم کی چکی میں تو کمزور اور بے سہارا لوگ ہی پستے ہیں ان کو مزید تنگ کر کے کمزور سے کمزور تر کیا جاتا ہے۔ مگر آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایسے لوگ اگر صبر کریں تو اللہ ان کی عزت کو بڑھاتا ہے۔ دیکھئے مظلوم جو ظلم پر صبر کرتا ہے اس کی نگاہ ذاتِ باری تعالیٰ پر ہوتی ہے۔ وہ بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا اور التجا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا رد نہیں کرتا۔ اس طرح صابر مظلوم کو خالق کائنات کا تقرب نصیب ہو جاتا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے حق کی خاطر ظلم و جبر برداشت کیا دنیا میں بھی واقعی ان کو عزت ملی ‘جبکہ بااثر خوشحال اور بااختیار ظالم کے حصے میں رسوائی کے سوا کچھ نہیں آیا۔ بلال رضی اللہ عنہ پر امیہ ظلم کرتا تھا‘ بلال کو حین حیات وہ عزت ملی کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ انہیں سیدنا کہہ

کر پکارتے تھے۔

تیسری بات جس پر آپ ﷺ نے قسم کھائی ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص سوال کرنے اور مانگنے کی عادت اپنا لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر فقر، مفلسی اور ناداری طاری کر دیتا ہے۔ یہاں بھی بظاہر ایسا لگتا ہے کہ جو سوال کرتا ہے، ہاتھ پھیلا کر لوگوں سے مانگتا ہے اور لوگ اس کو دیتے ہیں

اس کے پاس تو دولت جمع ہو جانی چاہیئے مگر ایسا ہوتا نہیں ،بلکہ ایسا شخص ہمیشہ سائل ہی رہتا ہے، اس کی ضروریات اور حاجات کبھی پوری نہیں ہوتیں، وہ در در کی خاک چھانتا اور ہر کہ و مہ کے آگے ہاتھ پھیلاتا رہتا ہے ۔ یوں وہ محتاج ہی رہتا ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے جو بات ارشاد فرمائی اور کہا کہ اس کو ذہن میں محفوظ رکھ لیا جائے یہ ہے کہ دنیا میں مال اور عقل و فہم کے اعتبار سے لوگ چار قسم کے ہیں: اوّل وہ جن کو مال ملا ہے اور ساتھ صحیح طرزِ زندگی کا شعور بھی عطا ہوا ہے۔ ایسے لوگ مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور مفلس اور نادار عزیز و اقارب کی خبر گیری بھی کرتے ہیں ۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ لوگ تو سب سے اعلیٰ و افضل مرتبہ پر فائز ہیں۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جن کو مال تو نہیں ملا مگر صحیح علم و شعور سے انہوںنے وافر حصہ پایا ہے۔ ایسے لوگ مال کی تمنا کرتے ہیں اور صحیح ارادے اور نیت کے ساتھ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں بھی مال مل جائے تو ہم فلاں نیک بندے کی طرح اللہ کی رضا کے لیے خرچ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں کا اجر مساوی ہے ،یعنی اس بعد والے کو حسنِ نیت کی بدولت وہی اجر ملے گا جو نیک دل مالدار کو مال خرچ کرنے پر ملے گا۔

تیسری قسم ایسے لوگوں کی ہے جن کو اللہ نے مال تو دیا لیکن خرچ کرنے کا سلیقہ نہیں دیا۔ ایسے لوگ نادانی کے ساتھ اللہ کی دی ہوئی دولت کو نام و نمود، نمائش اور فضول رسومات بلکہ خدا کی ناراضگی والے کاموں میں اندھا دھند خرچ کرتے ہیں ،نہ تو صلہ رحمی کرتے ہیں اور نہ ہی مال کو دوسرے صحیح مصارف پر خرچ کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ لوگ سب سے برے مقام پر ہیں۔

چوتھی قسم ایسے لوگوں کی ہے جن کو اللہ نے نہ تو مال دیا ہے نہ ہی شعورِ زندگی۔ ایسے لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ مال کی تمنا اس نیت اور ارادے کے ساتھ کرتے ہیں کہ اگر انہیں مال مل جائے تو فلاں شخص کی طرح عیش و عشرت کے سامان فراہم کریں گے اور فضول رسموں اور نمود و نمائش میں دوسروں سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسے لوگ اپنی بدنیتی کی وجہ سے ان لوگوں کے برابر ہیں جو مقام کے اعتبار سے بدترین لوگ ہیں۔

(8)حیاتِ مستعار کی قدر و قیمت

عَنْ عُبَیْدِ بْنِ خَالِدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ آخٰی بَیْنَ رَجُلَیْنِ فَقُتِلَ اَحَدُھُمَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ مَاتَ الْآخَرُ بَعْدَہٗ بِجُمُعَۃٍ اَوْ نَحْوِھَا فَصَلُّوْا عَلَیْہِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : ((مَا قُلْتُمْ؟)) قَالُوْا دَعَوْنَا اللّٰہَ اَنْ یَّغْفِرَلَہٗ وَیَرْحَمَہٗ وَیُلْحِقَہٗ بِصَاحِبِہٖ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ((فَاَیْنَ صَلَا تُہٗ بَعْدَ صَلَا تِہٖ وَعَمَلُہٗ بَعْدَ عَمَلِہٖ [اَوْ قَالَ: صِیَامُہٗ بَعْدَ صِیَامِہٖ] لَمَا بَیْنَھُمَا اَبْعَدُ مِمَّا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ)) [رواہ ابوداوٗد والنسائی]

حضرت عبید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو شخصوں کے درمیان مواخات قائم فرمائی ۔ پھر یہ ہوا کہ ان میں سے ایک صاحب جہاد میں شہید ہو گئے' پھر ایک ہی ہفتہ بعد یا اس کے قریب دوسرے صاحب کا بھی انتقال ہو گیا تو صحابہؓ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھنے والے ان اصحاب سے دریافت کیا : ''آپ لوگوں نے (نماز جنازہ میں) کیا کہا؟ '' انہوں نے عرض کیا : ہم نے اس کے لیے یہ دعا کی کہ اللہ اس کی مغفرت فرمائے' اس پر رحمت فرمائے' اور اپنے اس بھائی اور ساتھی کے ساتھ کر دے (تاکہ جنت میں اسی طرح ساتھ رہیں جس طرح کہ یہاں رہتے تھے) یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' پھر اس کی وہ نمازیں کہاں گئیں جو اس شہید ہونے والے بھائی کی نمازوں کے بعد اس نے پڑھیں' اور دوسرے وہ اعمال خیر کہاں گئے جو اس شہید کے اعمال کے بعد اس نے کئے؟'' یا آپ نے یوں فرمایا :''اس کے وہ روزے کہاں گئے جو اس بھائی کے روزوں کے بعد اس نے رکھے؟'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : '' ان دونوں کے مقامات میں تو اس سے بھی زیادہ فاصلہ ہے جتنا کہ زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ ہے''۔

اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ دو افراد میں رسول اللہ ﷺ نے اخوت قائم کی۔ اُن میں سے ایک شہید ہو گیا ۔اُس کے ہفتہ عشرہ بعد دوسرا بھی فوت ہو گیا۔ جب اس دوسرے بھائی کا جنازہ پڑھا گیا تو حضور ﷺ کے استفسار پر جنازہ پڑھنے والوں نے بتایا کہ ہم نے اس کی

مغفرت کے لیے دعا کی ہے ۔نیز یہ بھی کہ اس کو شہید ہونے والے بھائی کے برابر درجہ مل جائے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ اس بعد میں مرنے والے کا درجہ تو آخرت میں شہید کے درجہ سے بہت بلند ہے۔

صحابہؓ کے لیے یہ بات حیرت کا باعث ہوئی ' کیونکہ شہید کا مقام تو بہت بلند ہوتا ہے 'کسی غیر شہید کا درجہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اس تشویش کو آپ ﷺ نے یہ کہہ کر دور کر دیا کہ اس بعد میں مرنے والے نے اپنے بھائی کی شہادت کے بعد نمازیں پڑھیں ' روزے رکھے اور دوسرے نیک کام کئے' جن کا اس کو اجر ملا۔یہ اجر شہید ہونے والے کو نہیں ملا 'کیونکہ وہ فوت ہو چکا تھا اور ان دنوں کی نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں شامل نہ تھیں۔ جہاں تک شہادت کی فضیلت کا تعلق ہے وہ تو اس بعد میں فوت ہونے والے کو بھی حاصل تھی کیونکہ وہ شہادت کی تمنا لیے ہوئے تھا مگر اس کو قتال کا موقع نہ ملا۔ اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ نیکی کے ارادہ پر نیکی کرنے کا ثواب مل جاتا ہے۔چنانچہ یہ شخص بھی شہید شمار ہوا اور چند دنوں کی اضافی نیکیوں نے اس کا رتبہ پہلے شخص سے بلند کر دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ زندگی کے شب و روز کس قدر قیمتی ہیں۔ ان کا صحیح استعمال کر کے عاقبت سنواری جا سکتی ہے 'جبکہ ان کو ضائع کر کے آخرت کی ابدی زندگی برباد کر کے عذاب کا نشانہ بنا جاسکتا ہے۔ عقل مند وہی شخص ہے جو یہ چند روزہ زندگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق گزارے اور نیکی کے کاموں کو اختیار کرے۔ اس کے برعکس وہ شخص انتہائی بدبخت ہے جو اس امتحان کے وقفے کو لہوولعب اور معصیت کے کاموں میں برباد کر دے اور انجام کار اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ٹھہرے ۔ سورۃ المنافقون میں ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے گی تو وہ کہے گا کہ '' اے میرے پروردگار ! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلتِ عمر اور کیوں نہ دی۔ پھر میں صدقہ خیرات کرتا اور نیکوکاروں میں ہو جاتا۔ مگر جب کسی شخص کی موت کا وقت آجاتا ہے تو اس کو ہرگز مہلت نہیں دی جاتی''۔ پس اس زندگی کے اوقات کو غنیمت جاننا چاہیئے اور اسے کسی صورت بھی فضولیات میں نہیں گنوانا چاہیئے ورنہ حسرت کا سامنا کرنا پڑے گا 'کیونکہ مزید مہلت کسی صورت نہ ملے گی۔

شیخ فرید الدین عطارؒ ''منطق الطیر'' میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا اور سلام کیا مگر اس بزرگ نے جواب میں وعلیکم السلام نہ کہا۔ اس شخص نے پوچھا

آپ نے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا حالانکہ سلام کا جواب دینا ضروری ہے۔ اس بزرگ نے کہا کہ میں جانتا ہوں 'مگر ہم عالمِ برزخ میں ہیں اور یہاں ہم پر نیکیوں اور عبادات کا دروازہ مکمل طور پر بند ہے۔ جب ہم تمہاری طرح دنیا میں تھے تو خدا کی عبادت کرتے تھے مگر اپنی زندگی کی کماحقہ قدر و قیمت سے بے خبر تھے 'اب یہاں آکر معلوم ہوا ہے کہ زندگی بہت قیمتی شے ہے۔ ہمارا ہر سانس قابلِ قدر تھا مگر افسوس ہم نے اس کی قدر نہیں پہچانی۔ جو کام کرنے کے لائق تھے وہ نہ کر سکے' لیکن اب رونے دھونے کا کوئی فائدہ نہیں' جو ہونا تھا ہو گیا' اب تو قبر کے قید خانے میں بند ہیں ۔پرندے کو اپنے بال و پر کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب اس کے بال وپر نوچ لیے جاتے ہیں ۔اے دیوانے ! عمر کی قدر و قیمت پوچھنی ہے تو جا ان قبرستان والوں سے پوچھ' وہ تمہیں بتائیں گے کہ یہ مہلتِ عمر کتنی

قیمتی چیز ہے !

رسول اللہ ﷺ نے حیاتِ دنیوی کے اوقات کی قدر و قیمت کا بارہا احساس دلایا۔ ایک دفعہ جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آدمیوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص جس کی عمر لمبی ہوئی اور اس کے اعمال اچھے رہے''۔ پھر جب یہ پوچھا گیا کہ آدمیوں میں سب سے برا کون ہے ؟تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ''جس کی عمر لمبی ہوئی اور اعمال برے ہوئے۔'' (مسند احمد) یوں زندگی کے شب و روز اور ماہ و سال لہو و لعب' فضولیات' بے کار مشاغل اور گناہ کے کاموں میں گزارنا انتہائی بے وقوفی اور حماقت ہے۔ اس طرزِ عمل سے حسرت و یاس کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

حضرت امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ میںنے زندگی کی قدر و قیمت ایک برف فروش سے سیکھی جو یہ آواز لگا رہا تھا کہ دیکھو میرا رأس المال ضائع ہو رہا ہے ۔یہی حال ہر زندہ انسان کا ہے کہ اس کی مہلتِ عمر بتدریج ختم ہو رہی ہے۔ بد قسمت ہیں وہ لوگ جو خوابِ غفلت میں غرق اپنے قیمتی اوقات ٹیلیویژن کے فضول اور فحش پروگرام' فلمیں اور کئی کئی دنوں تک چلنے والے میچ دیکھنے' ناول افسانے اور بیکار لٹریچر پڑھنے اور بے ہودہ محفلوں میں شریک ہو کر ضائع کر رہے ہیں اور زندگی کے ان ماہ و ایام کی بے قدری کر کے خسارے میں پڑے ہوئے ہیں۔

اوپر گزرا کہ موت کے وقت انسان کہے گا: ''اللہ پاک تو مجھے تھوڑی اور مہلت دیتا تو میں نیک کام کر لیتا''۔ مذاق العارفین میں لکھا ہے کہ اے انسان !تو اُس وقت جو مہلت مانگے گا تو

آج کے دن کو وہ مہلت کیوں نہیں سمجھتا کہ آج کے اس دن سے بھرپور فائدہ اٹھا کر نیکیوں اور عبادات میں مصروف رہے اور کل کی حسرت سے بچ سکے ۔ خبردار ! اس دن کو ضائع نہ کرنا کہ زندگی کا ہر لمحہ انمول جوہر ہے۔

عبد اللہ بن شداد روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ بنی عذرہ میں سے تین آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ آپؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کون میری طرف سے ان نومسلم مسافروں کی خبر گیری کرے گا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ ذمہ داری قبول کر لی اور تینوں حضرات ان کے پاس رہنے لگے۔ اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا۔ ان تین صاحبان میں سے ایک اس لشکر میں شامل ہو گیا اور شہید ہو گیا۔ پھر آپؐ نے ایک اور لشکر روانہ فرمایا تو ایک دوسرا ساتھی اس میں چلا گیا اور وہ بھی شہید ہو گیا۔ پھر ان تینوں میں سے جو باقی بچا تھا وہ بستر پر ہی فوت ہو گیا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ان تینوں ساتھیوں (رضوان اللہ علیہم اجمعین)کو جنت میں دیکھا اور یہ دیکھا کہ جو صاحب سب سے آخر میں اپنے بستر پر طبعی موت مرے تھے وہ سب سے آگے ہیں اور ان کے قریب ان کا وہ ساتھی ہے جو دوسرے نمبر پر شہید ہوا تھا اور پھر ان کا وہ ساتھی تھا جو پہلے شہید ہوا تھا۔ اس خواب سے حضرت طلحہؓ کے دل میں تردد پیدا ہوا

‘کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ شہید ہونے والوں کا درجہ اس تیسرے سے بلند ہو گا جس کا انتقال بستر پر طبعی موت سے ہوا تھا۔ پس انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنا خواب بیان کیا اور اپنا خلجان بھی بتایا۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا کہ اس میں تمہیں کیا بات نامناسب معلوم ہوئی ہے؟ ان کے درجات کی جو ترتیب تم نے دیکھی ہے وہی ہونا چاہئے تھی‘ کیونکہ اللہ کے نزدیک اس مؤمن سے کوئی افضل نہیں جس کو ایمان اور اسلام کے ساتھ لمبی عمر ملے جس میں وہ اللہ کی تسبیح‘ تکبیر اور تہلیل کرے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جس شخص نے لمبی عمر پائی اور اس میں ذکر اذکار عبادات اور حسنات میں مشغول رہا اپنے سے کم عمروں کی نسبت اونچے درجے پر فائز ہو گا۔

مؤمن تو زندگی کے ہر لمحے کو ذکر اللہ کے ساتھ قیمتی بنا سکتا ہے۔ فارغ اوقات میں قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر واذکار میں مشغول رہ سکتا ہے۔ اگر کسی کو قرآن مجید کا زیادہ حصہ یاد نہ بھی ہو تو سبحان اللہ‘ الحمد للہ‘ اللہ اکبر‘ لا الٰہ الا اللہ اور سورۃ الاخلاص تو ہر مسلمان کو ازبر ہیں

اور یہ ذکر کی آسان مگر بہت وزنی صورتیں ہیں۔ لیکن قرآن مجید کا سمجھ کر پڑھنا تو اتنا اونچا عمل ہے کہ اس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا ۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب ؓ سے فرمایا: ’’تم میں سے کون کون یہ پسند کرتا ہے کہ وہ ہر روز صبح سویرے بطحان یا عقیق میں جایا کرے اور دو موٹی تازی فربہ کوہان کی اونٹنیاں مفت میں پکڑ لایا کرے ‘نہ اس پر کوئی گناہ آئے اور نہ ہی قطع رحم؟‘‘۔ صحابہ ؓ نے عرض کیا: یہ تو ہم سب کو پسند ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ’’تم میں سے کوئی شخص صبح مسجد میں کتاب اللہ کی دو آیتیں سیکھ کر آیا کرے وہ ایسی اونٹنیاں مفت پکڑ لانے سے کہیں افضل ہے اور اگر تین ہوں تو تین۔ جتنی آیتیں ہوں وہ اتنی ہی اونٹنیوں سے زیادہ نفع آور ہیں۔‘‘

وقت گزارنے کے لیے مسلمان کے پاس بہت سی آسان مگر انتہائی مفید اور نتیجہ خیز مصروفیات اور مشاغل ہیں ۔ ان کو چھوڑ کر زندگی کے انمول اوقات کو فضولیات میں گنوانا اسے ہرگز زیب نہیں دیتا۔ یہ بات سمجھنے کے لیے سہل ہو جاتی ہے اگر ہم فوت شدگان کی بے بسی اور حسرت کا احساس کر سکیں جو ہمیں قرآن و حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔

(9)دُنیاوی تکلیفوں کی حقیقت

عَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ اَبِیْ زُھَیْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : اُخْبِرْتُ اَنَّ اَبَابَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہَ کَیْفَ الصَّلَاحُ بَعْدَ ھٰذِہِ الْآیَۃِ : {لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَ لَآ اَمَانِیِّ اَھْلِ الْکِتٰبِ ؕ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِہٖ ۙ} فَکُلَّ سُوْئٍ عَمِلْنَا جُزِیْنَا بِہٖ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ یَا اَبَابَکْرٍ، اَلَسْتَ تَمْرَضُ؟ اَلَسْتَ تَنْصَبُ؟ اَلَسْتَ تَحْزَنُ؟ اَلَسْتَ تُصِیْبُکَ اللَّـــأْوَائُ؟)) قَالَ: بَلٰی، قَالَ: ((فَھُوَ مَا تُجْزَوْنَ بِہٖ)) [مسند احمد]

''ابوبکر بن ابوزہیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی للہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اس آیت کے بعد کیسے بچاؤ ہو گا: ''تمہاری اور اہل کتاب

کی خواہشوں کے مطابق نہیں ہوگا 'بلکہ جو کوئی برائی کرے گا اسے اس کی سزا ملے گی'' پس ہم نے جو بھی برائی کی ہوگی اس کی سزا ملے گی؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ آپ کو معاف کرے اے ابوبکرؓ! کیا آپ بیمار نہیں ہوتے؟ کیا آپ کو تھکاوٹ نہیں ہوتی؟ کیا آپ کو غم نہیں آتے؟ کیا آپ کو تکالیف نہیں آتیں؟'' انہوں نے عرض کیا: یہ تو ہے! اس پر آپؐ نے فرمایا: ''پس یہ بدلہ ہے آپ کی برائیوں کا۔''

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر حد درجہ مہربان ہے۔ اُس نے سیدھی راہ پر چلنے کے لیے انسانوں کی الہامی کتابوں کے ذریعے راہنمائی کی۔ آخری الہامی کتاب قرآن کریم ہے جو جامع تعلیمات پر مشتمل ہے اور لوگوں کے لیے حق و صداقت کی روشن دلیل ہے۔ پھر اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ بھی خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے' تاکہ حق خالص ترین صورت میں لوگوں کے سامنے رہے اور وہ آسانی سے حق و باطل کے درمیان پہچان کر سکیں۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے برگزیدہ بندوں کو دنیا میں بھیجا تاکہ وہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچائیں' راہِ ہدایت کی طرف راہنمائی کریں اور الٰہی تعلیم کو عملی طور پر اپنا کر لوگوں پر حجت قائم کریں۔

لوگ دو قسم کے ہوئے ہیں۔ کچھ وہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو قبول کیا اور انبیاء و رُسل کی پیروی اختیار کی۔ یہ لوگ مسلم کہلائے۔ کچھ وہ جنہوں نے پروردگار کی بھیجی ہوئی راہنمائی کو قبول نہ کیا اور انبیاء پر ایمان نہ لائے۔ ایسے لوگ کافر ٹھہرے۔

کافر گمراہی میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ وہ بنیادی حقیقت کو ماننے سے انکاری ہیں 'لہٰذا ان کا کوئی عمل قبول نہ ہو گا۔ ازروئے الفاظ قرآنی : {فَحَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾} (الکہف) ''پس اُن کے اعمال ضائع ہو گئے اور ہم قیامت کے روز اُن کے لیے کچھ بھی وزن قائم نہیں کریں گے''۔ یعنی کافر کا کوئی عمل حسن قرار نہیں پاتا۔

رہے مسلمان تو وہ ایمان کی نعمت سے بہرہ ور ہیں۔ وہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نیکی اور بدی میں امتیاز

کر سکتے ہیں ۔مگر کوئی مؤمن ایسا نہیں کہ اُس سے معصیت کا ارتکاب نہ ہو۔ یہ اس لیے کہ خود انسان کی فطرت میں کمزوری رکھ دی گئی ہے۔ ازروئے ارشادِ ربانی:

{وَ خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا ﴿۲۸﴾} (النساء) ''اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔'' پھر دنیا کی زینت اور کشش اسے برائی پر آمادہ کرتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شیطانِ لعین ہر وقت اُس کو دھوکہ دینے میں لگا ہوا ہے۔ ان حالات میں مؤمن سے بھی بدی کے ارتکاب کا امکان ہر

وقت موجود ہے اور گناہ پر سزا کی وعید ہے۔چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ:{مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِہٖ ...} (النساء:۱۲۳) ''جو کوئی برائی کرے گا اسے اُس کی سزا ملے گی'' تو صحابہ کرام ث کے اندر تشویش پیدا ہوئی کہ اگر ہر برائی پر سزا ہے تو پھر سزا سے کون بچے گا ۔ چنانچہ زیر درس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہم نے جو بھی برائی کی ہو گی اس کی سزا ملے گی؟ تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ ''اللہ آپ کو بخشے ! کیا آپ کبھی بیمار نہیں ہوئے؟ کیا آپ کو کبھی درد نہیں ہوا؟ کیا آپ کو غم نہیں آتے؟ کیا آپ کو تکلیفیں نہیں آتیں؟'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ تو ہے ! اس پر آپ ﷺ نے فرمایا :''پس یہ بدلہ ہے آپ کی برائیوں کا''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ چنانچہ اہل ایمان کے گناہوں کی بخشش کے لیے ایک صورت یہ بھی رکھ دی گئی کہ دنیاوی تکالیف کے بدلے میں اہل ایمان کی خطائیں معاف کر دی جائیں۔ مؤمن جب بیمار ہوتا ہے تو اُس کے گناہ جھڑتے ہیں ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :''کسی مردِ مؤمن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے 'مرض سے یا اُس کے علاوہ 'اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے''۔ (بخاری و مسلم) چنانچہ رسول اللہ ﷺ جب کسی بیمار کی تیمار داری کے لیے جاتے تو اسے تسلی دیتے ہوئے فرماتے کہ یہ بیماری تمہارے گناہوں کو دور کر دے گی۔قرآن مجید میں ہے :

{وَ لَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَ الۡجُوۡعِ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَتۡہُمۡ مُّصِیۡبَۃٌ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ﴿۱۵۶﴾ ؕ} (البقرۃ)

''اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے کسی قدر خوف سے' بھوک سے اور جانی اور مالی نقصان سے ۔تو (ان مشکلات میں) صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے' (وہ ایسے لوگ ہیں) کہ جب انہیں کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اُسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں ۔''

صبر کرنے والے کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ دکھ اور تکلیف میں حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاتے اور ناسازگار حالات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی سمجھتے ہیں اور ثابت قدمی اور مستقل مزاجی

کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور ایسا کرنے والوں کے گناہ مٹتے اور نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں، کبھی اس کی جان پر، کبھی اس کے مال پر، کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا''۔ (جامع ترمذی)

اللہ تعالیٰ رحمن و رحیم ہے۔ وہ اگر چاہے تو بغیر کسی عمل کے بھی بندے کو بلند درجہ عطا کر سکتا ہے۔ لیکن حکمت کا تقاضا ہے کہ بندہ اپنے اعمال و احوال کے لحاظ سے جس درجہ کا ہو اُسے اسی درجہ میں رکھا جائے۔ البتہ اللہ تعالیٰ اگر کسی وجہ سے (جسے وہ خود بہتر جانتا ہے) کسی بندے کو بلند درجہ عطا کرنے کا ارادہ کر لے جس کا وہ اپنے اعمال کی بدولت مستحق نہ ہو تو اسے مصائب، تکلیف یا بیماری کے ذریعہ آزمائش میں ڈالتا ہے اور پھر اسے صبر کی توفیق دے کر اعمالِ حسنہ کی کمی کو پورا کر دیتا ہے اور اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ محمد بن خالد السلمی اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی بندۂ مؤمن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا بلند مقام طے ہو جاتا ہے جس کو وہ اپنے عمل سے نہیں پا سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی جسمانی یا مالی تکلیف میں یا اولاد کی طرف سے کسی صدمہ یا پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے، پھر اُس کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے، یہاں تک کہ اسے اس بلند مقام پر پہنچا دیتا ہے جو اُس کے لیے پہلے سے طے ہو چکا ہوتا ہے''۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

قرآن مجید میں ہے کہ دنیا دھوکے کا سودا ہے۔ یعنی دنیا میں جو خوشحال نظر آ رہا ہے وہ حقیقت میں خوشحال نہیں ہے۔ کیونکہ اگر تو وہ اس خوشحالی میں اللہ کے احکام کی پابندی کر رہا ہے تو پھر تو اُس کے لیے اجر و ثواب ہے، ورنہ وہی خوشحالی اس کے لیے عذاب کا باعث بن جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص عسرت اور پریشانی میں زندگی گزار رہا ہے تو وہ اگر اس حال میں صبر کا رویہ اختیار کرتا ہے اور حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاتا تو بڑے اجر کا مستحق بنتا ہے، ورنہ بے صبری کا رویہ اُسے بہت بڑے اجر سے محروم کر دیتا ہے۔ چنانچہ جب دنیا میں مبتلائے مصیبت رہنے والوں کو اُن کے صبر کے بدلہ میں اجر و ثواب سے نوازا جائے گا تو وہ لوگ جنہوں نے دنیا

میں سکھ اور چین کی زندگی گزاری ہو گی ‘حسرت کریں گے کہ کاش وہ بھی دنیا کی زندگی میں مصائب و آلام میں بتلا ہوتے رہتے اور آج ان کا اجر پاتے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :’’قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں بتلائے مصائب رہے ‘ان مصائب کے عوض اجر و ثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام اور چین سے رہے‘ حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں‘‘۔ (جامع ترمذی)

دنیا کے دکھ اور تکلیف کے بدلے میں ملنے والے اجر و ثواب کے متعلق معلوم ہوجانے کے بعد عسرت‘ تکلیف اور بیماری کی خواہش کرنا جائز نہیں ‘کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ مصیبتوں میں بتلا کر کے ہی گناہ بخشے‘ وہ تو ہر طرح کا اختیار رکھتا ہے۔ جس کو وہ چاہے بخشے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ عافیت طلب کرنی چاہیئے‘ کیونکہ جسم و جان کی حفاظت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ ہاں اگر بندہ بتلائے مصیبت ہو جائے تو پھر {مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ؕ} (التغابن:۱۱) ’’کوئی مصیبت نہیں آتی مگر اللہ کے حکم سے‘‘ کے پیش نظر اس مصیبت کو اللہ تعالیٰ رحمن و رحیم کی طرف سے سمجھے اور صبر سے کام لے‘ اللہ کی یاد سے مُنہ نہ موڑے‘ شکوہ وشکایت نہ کرے ‘بلکہ اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھے تو یہ صحیح طرزِ عمل ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ معذور لوگ بھی اپنی استطاعت کے مطابق تمام احکامِ خداوندی کے پابند ہیں۔ صرف انہی امور سے مستثنیٰ ہیں جن پر وہ کسی صورت عمل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے نابینا صحابی کو بھی مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کا ارشاد فرمایا ‘اگر اس کے کان میں اذان کی آواز سنائی دیتی ہو۔

(10)نیک مقاصد کے لیے دولت کی طلب

عَنۡ رَجُلٍ مِنۡ اَصۡحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ :كُنَّا فِيۡ مَجۡلِسٍ فَطَلَعَ عَلَيۡنَا رَسُوۡلُ اللهِ ﷺ وَعَلٰى رَاۡسِهٖ اَثَرُ مَاۡءٍ ‘ فَقُلۡنَا : يَا رَسُوۡلَ اللهِ نَرَاكَ طَيِّبَ النَّفۡسِ‘ قَالَ : اَجَلۡ‘ قَالَ : ثُمَّ خَاضَ الۡقَوۡمُ فِيۡ ذِكۡرِ الۡغِنٰى‘ فَقَالَ رَسُوۡلُ

اللهِ ﷺ : ((لَا بَاۡسَ بِالۡغِنٰى لِمَنِ اتَّقَى اللهُ عَزَّوَجَلَّ‘ وَالصِّحَّةُ لِمَنِ اتَّقٰى خَيۡرٌ مِنَ الۡغِنٰى ‘ وَطِيۡبُ النَّفۡسِ مِنَ النَّعِيۡمِ)) [مسند احمد]

رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی سے روایت ہے کہ ہم چند آدمی ایک مجلس میں بیٹھے تھے‘ آنحضرت ﷺ بھی وہیں ہمارے پاس تشریف لے آئے‘ اور آپ کے سر مبارک پر اُس وقت پانی کا اثر تھا (یعنی معلوم ہوتا تھا کہ آپ

نے ابھی غسل فرمایا ہے) تو ہم میں سے کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ! ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت حضور کا مزاج بہت اچھا' اور دل بہت خوش ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں ! (الحمد للہ ایسا ہی ہے) پھر اہل مجلس دولت مندی اور دنیوی خوشحالی کا کچھ تذکرہ کرنے لگے (کہ وہ اچھی چیز ہے یا بری' اور دین اور آخرت کے لیے مضر ہے یا مفید؟) تو آپ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے (اور اس کے احکام کی پابندی کرے) اس کے لیے مالداری میں کوئی مضائقہ اور حرج نہیں' اور صحت مندی صاحب تقویٰ کے لیے دولت مندی سے بھی بہتر ہے' اور خوش دلی بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے (جس کا شکر واجب ہے)''۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر بسایا تو ضروریاتِ زندگی کی ہر چیز کا انتظام بھی کر دیا۔ چنانچہ انسان طرح طرح کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ انسانی کمزوریاں بہرحال انسان کے ساتھ ہیں۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ دنیاوی نعمتوں اور مال و دولت کی فراوانی میں منہمک ہو کر انسان اپنے مقصدِ حیات کو فراموش کر دیتا ہے۔ مال و دولت کی کثرت اسے عیش و عشرت کا دلدادہ بنا دیتی ہے۔ وہ طرح طرح کے منکرات و فواحش میں مبتلا ہو کر گمراہی میں پڑ جاتا ہے۔ اسی سبب سے عام طور پر مال و دولت کی فراوانی کو اچھا نہیں سمجھا جاتا کیونکہ دولت مند آدمی کے لیے گناہوں کا ارتکاب آسان ہو جاتا ہے۔ مگر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اچھا اور برا پہلو تو ہر جگہ موجود ہے۔ یہ زندگی تو سراسر آزمائش ہے کہ دیکھیں کون اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا صحیح استعمال کرتا ہے۔ دولت بھی دوسری نعمتوں کی طرح ایک نعمت ہے' جہاں اس کا برا استعمال ضلالت و گمراہی کی طرف لے جاتا ہے وہاں اس کے جائز استعمال سے بے شمار نیکیاں کمائی جا سکتی ہیں۔ بنیادی طور پر مال و دولت کوئی بری چیز نہیں ہے۔ قرآن مجید میں بارہا مال کے لیے خیر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ چند مقامات ملاحظہ کیجئے:

{كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ الْوَصِيَّةُ

لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ ؕ} (البقرة)

''فرض کیا گیا ہے تم پر جب قریب آ جائے تم میں سے کسی کے موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال کہ وصیت کرے اپنے ماں باپ کے لیے اور قریبی رشتہ داروں کے لیے انصاف کے ساتھ۔''

اور

{يَسْـَٔلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾} (البقرة)

''آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں۔ آپ فرمائیے جو کچھ خرچ کرو (اپنے) مال سے تو اس کے مستحق تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور مسکین ہیں اور مسافر ہیں۔ اور جو نیکی تم کرتے ہو تو بلاشبہ اللہ

تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔''

اور

{لَیۡسَ عَلَیۡکَ ہُدٰہُمۡ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَلِاَنۡفُسِکُمۡ ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ اللّٰہِ ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ یُّوَفَّ اِلَیۡکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِی الۡاَرۡضِ ۟ یَحۡسَبُہُمُ الۡجَاہِلُ اَغۡنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعۡرِفُہُمۡ بِسِیۡمٰہُمۡ ۚ لَا یَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ﴿۲۷۳﴾ ٪ } (البقرۃ)

''نہیں ہے آپ کے ذمہ ان کو سیدھی راہ پر چلانا' ہاں اللہ سیدھی راہ پر چلاتا ہے جسے چاہتا ہے 'اور جو کچھ تم خرچ کرو (اپنے) مال سے تو (اس میں) تمہارا اپنا فائدہ ہے' اور تم تو خرچ ہی نہیں کرتے ہو سوائے اللہ کی رضا طلبی کے' اور جتنا کچھ تم خرچ کرو گے (اپنے) مال سے پورا ادا کر دیا جائے گا تمہیں اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (خیرات) ان فقیروں کے لیے ہے جو روکے گئے ہیں اللہ کی راہ میں 'نہیں فرصت ملتی انہیں (روزی کمانے کے لئے) چلنے پھرنے کی زمین میں' خیال کرتا ہے انہیں ناواقف (کہ یہ) مالدار (ہیں) بوجہ ان کے سوال نہ کرنے کے ۔(اے حبیب !) آپ پہچانتے ہیں انہیں ان کی صورت سے 'یہ نہیں مانگا کرتے لوگوں سے لپٹ کر' اور جو کچھ تم خرچ کرو

گے (اپنے) مال سے پس یقینا اللہ تعالیٰ اسے خوب جاننے والا ہے ۔''

اور:

{وَ اِنَّہٗ لِحُبِّ الۡخَیۡرِ لَشَدِیۡدٌ ﴿۸﴾ } (العٰدیٰت)

''اور یقینا انسان مال کی محبت میں بہت پکّا ہے۔''

''خیر'' ہی کا لفظ نیکی اور بھلائی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یوں اس لفظ کے معنی اور مفہوم میں برائی کا عنصر کسی طرح بھی شامل نہیں۔ ہاں یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ مال کی آزمائش پر پورا اترنا مشکل ہے' اسی لیے عام طور پر اس کو اچھی چیز نہیں سمجھا جاتا۔

اس حدیث میں رسول اللہﷺ نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اگر کسی شخص کو مال و دولت ملے اور وہ شخص متقی اور پرہیزگار ہو 'یعنی اپنے مال کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں استعمال کرے تو اس طرح کے مال و دولت میں کوئی خرابی نہیں۔ اسی طرح اپنی ضروریات کے لیے اور صدقہ و خیرات اور بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے لیے اگر دولت کی تمنا کی جائے تو یہ بھی اچھی بات ہے۔ قرآن مجید میں دنیاوی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کی قطعاً ممانعت نہیں ہے۔ سورۃ الاعراف آیت ۳۲ میں ارشاد ہے:{قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِیۡنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِہٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ ؕ} ''کہہ

دیجئے کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو اس نے پیدا کی اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی''۔ پس دنیاوی نعمتوں کی تمنا کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا ہرگز بری بات نہیں۔ البتہ ان نعمتوں سے ناجائز فائدہ اٹھانا ' اللہ تعالیٰ کو فراموش کر کے کبر و نخوت میں مبتلا ہو کر گناہوں پر دلیر ہو جانا سراسر گمراہی ' گھاٹے کا سودا اور عاقبت کی بربادی کا سبب ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہﷺ نے فرمایا: ''جو شخص دنیا کی دولت جائز طریقے سے اس مقصد کے لیے حاصل کرنا چاہے تاکہ اس کو دوسروں سے سوال نہ کرنا پڑے اور اپنے اہل و عیال کے لیے روزی اور آرام و آسائش کا سامان مہیا کر سکے اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بھی وہ احسان اور بھلائی کر سکے تو قیامت کے دن وہ اللہ کے حضور اس حال میں حاضر ہو گاکہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور چمکتا ہوگا''۔ (شعب الایمان للبیہقی)

اس سے معلوم ہوا کہ صحیح مصرف کی خاطر دنیا کا مال طلب کرنا نہ صرف جائز بلکہ بہت بڑا کارِ ثواب ہے جس کے نتیجہ میں روزِ حساب اسے امتیازی شان نصیب ہو گی۔ اس کے برعکس

خدا کی دی ہوئی نعمت مال و دولت کو 'خواہ وہ حلال ذرائع سے ہی کمائی گئی ہو 'فضول خرچیوں' عیش پرستیوں' نمود و نمائش 'ناجائز کاموں اور نافرمانیوں میں خرچ کرنے والا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا نشانہ بنے گا۔

اس حدیث کی توضیح میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں کہ ''دولت مندی اور مال داری اگر تقویٰ کے ساتھ ہو یعنی اللہ کا خوف 'آخرت کی فکر اور احکامِ شریعت کی پابندی نصیب ہو تو اس میں دین کا کوئی خطرہ نہیں 'بلکہ اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے تو اس صورت میں یہی مال و دولت دین کی بڑی سے بڑی ترقیوں اور جنت کے اعلیٰ درجوں تک پہنچنے کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب و امتیازات میں کافی حصہ ان کے اس مال و دولت ہی کا ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے دریغ اور بے حساب خرچ کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی موقعوں پر ان کے حق میں بڑی بڑی بشارتیں سنائی تھیں۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ دولت مندی کے ساتھ تقویٰ یعنی خدا ترسی اور فکر آخرت اور اتباعِ شریعت کی توفیق کم ہی لوگوں کو ملتی ہے' ورنہ دولت کے نشہ میں اکثر لوگ بہک ہی جاتے ہیں''۔

پس جہاں مال و دولت کے ساتھ گناہ اور معصیت کے کام آسانی سے کیے جا سکتے ہیں وہاں خدا کی خوشنودی والے کام کر کے ثواب بھی کمایا جا سکتا ہے۔ دیکھئے مال دار مسلمان زکوٰۃ ادا کر کے کتنے مفلوک الحال افراد کی مدد کر سکتا ہے۔ حج کی سعادت اسی کو نصیب ہو گی جس کے پاس مالی استطاعت ہو گی اور حج وہ نیکی ہے کہ انسان کو گناہوں سے پاک کر دیتی ہے۔ الغرض دولت فی نفسہٖ خیر ہے 'البتہ اس کا غلط استعمال اسے شر بنا دیتا ہے۔

اس حدیث میں حلال ذرائع سے نیک مقاصد کے لیے دولت طلب کرنے کو مستحسن کہا گیا ہے۔ اسی

طرح صحت جسمانی کی قدر و قیمت کا بھی احساس دلایا گیا ہے کہ یہ انمول نعمت ہے ‘بلکہ دنیا کی سب سے بڑی نعمت تندرستی ہی ہے۔تندرستی کے لیے ہمہ وقت اللہ سے دعا کرنی چاہئے اور شکر گزاری کے طور پر صحت مندی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دین کی سربلندی کی جدوجہد‘بیماروں کی امداد‘ محتاجوں کی خبر گیری اور رفاہ عامہ کے کاموں میں بھرپور حصہ لینا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ’’خوش دلی بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے‘‘۔ پس جہاں مال و دولت ‘ خوشحالی اور صحت کی تمنا اور آرزو کی جائے وہاں خوش دلی کے لیے بھی دعا کرنا چاہئے۔

(11)طبعی غیرت

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِہٖ فَاَرْسَلَتْ اِحْدَی اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِصَحْفَۃٍ فِیْھَا طَعَامٌ فَضَرَبَتِ الَّتِی النَّبِیُّ ﷺ فِیْ بَیْتِھَا یَدَ الْخَادِمِ فَسَقَطَتِ الصَّحْفَۃُ فَانْفَلَقَتْ فَجَمَعَ النَّبِیُّ ﷺ فِلَقَ الصَّحْفَۃِ ثُمَّ جَعَلَ یَجْمَعُ فِیْھَا الطَّعَامَ الَّذِیْ کَانَ فِی الصَّحْفَۃِ وَیَقُوْلُ: ((غَارَتْ اُمُّکُمْ)) ثُمَّ حَبَسَ الْخَادِمَ حَتّٰی اُتِیَ بِصَحْفَۃٍ مِنْ عِنْدِ الَّتِیْ ھُوَ فِیْ بَیْتِھَا فَدَفَعَ الصَّحْفَۃَ الصَّحِیْحَۃَ اِلَی الَّتِیْ کُسِرَتْ صَحْفَتُھَا وَاَمْسَکَ الْمَکْسُوْرَۃَ فِیْ بَیْتِ الَّتِیْ کَسَرَتْ [صحیح البخاری‘کتاب النکاح‘ باب الغیرۃ]

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی کسی بی بی کے گھر تھے‘اس وقت اُمہات المؤمنین میں سے کسی نے آپؐ‘ کی خدمت میں ایک پیالہ میں کچھ کھانا بھیجا۔ جس بی بی صاحبہ کے گھر میں آپؐ رونق افروز تھے انہوں نے خادم کے ہاتھ کو ذرا اشارہ دے دیا۔پیالہ اس کے ہاتھ سے گر گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ پیالے کے ٹکڑے جوڑنے لگے۔ اس کے بعد جو کھانا اس پیالہ میں رکھا ہوا تھا اس کو جمع کیا اور فرمایا: ’’(کچھ نہیں) تمہاری ماں کو (اس وقت سوتن کی فطری) غیرت آ گئی تھی‘‘۔ اس کے بعد خادم کو ٹھہرا لیا اور جن کے گھر اس وقت آپ تشریف فرما تھے اُن کے یہاں سے ایک اچھا پیالہ منگا کر جن کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا ان کے لیے دے دیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ ان کے گھر رکھ لیا جنہوں نے توڑا تھا‘‘۔

اسلام میں فطری تقاضوں کی اہمیت کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ انسان طبعی طور پر کمزور پیدا کیا گیا ہے لہٰذا اُس کی ان کمزوریوں کے تحت ہونے والی خطاؤں کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ ایک شوہر کی دو بیویوں کے درمیان رقابت بھی طبعی خاصہ ہے اس لیے اس کے عدم کی خواہش بھی روا نہیں۔

اس حدیث میں ذکر ہے کہ آپ ﷺ اپنی ایک زوجہ محترمہ کے ہاں رونق افروز تھے تو

ایک دوسری زوجہ محترمہ نے خادم کے ہاتھ آپؐ کے لیے پیالے میں کوئی کھانے والی چیز بھیجی۔ یہ عمل اس بیوی کو اچھا نہ لگا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے گھر میں موجود ہوں اور دوسری بیوی انہیں یہاں کھانا بھیجے اور وہ اسے تناول فرمائیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی سوتن کے اس عمل کو ناپسند کیا اور ناراضگی کے ساتھ خادم کے ہاتھ کو ادنیٰ سے اشارے کے ساتھ ہلا دیا جس سے پیالہ اس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا اور کھانا زمین پر بکھر گیا آپؐ اٹھ کر پیالے کے ٹکڑوں کو جوڑنے لگے اور پھر پیالے کا کھانا اکٹھا کیا اور خادم سے فرمایا کہ تمہاری ماں کو غیرت آگئی ہے۔

غور کا مقام ہے کہ اس واقعہ کو نہ تو آپؐ نے قابل ملامت سمجھا اور نہ گرفت فرمائی' بلکہ اسے فطری غیرت پر محمول کیا اور قابل مؤاخذہ نہیں سمجھا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس طرزِ عمل سے دو باتیں ظاہر ہیں۔ ایک تو آپؐ کا خلق عظیم اور دوسرے انسانی کمزوری کے تحت سرزد ہونے والے افعال پر درگزر کا معاملہ۔ جہاں تک آپؐ کے خلق عظیم کا تعلق ہے وہ تو محتاجِ بیان نہیں۔ کسی ماں نے ایسا فرزند نہیں جنا جس کے عادات و اطوار اس قدر بلند ہوں کہ پوری زندگی جود و سخا اور عفو و درگزر کے اعلیٰ ترین معیار پر پوری اترتی ہو۔ مگر حیاتِ طیبہ کا کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا جس پر انگلی اٹھائی جا سکے' حتیٰ کہ آپؐ' کی قبل از نبوّت زندگی بھی اعلیٰ اخلاقی قدروں کا مظہر تھی۔ جہاں تک بشری کمزوریوں کا تعلق ہے تو اس کا لحاظ اللہ کی رضا کے مطابق ہر جگہ رکھا گیا ہے۔ بھول جانا انسانی کمزوری ہے چنانچہ بھول چوک کے تحت ہونے والی خطا پر گرفت نہیں ہے۔ روزے کی حالت میں بھول کر کھا پی لینے سے روزے میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ اسی طرح نیند انسانی کمزوری ہے۔ نیند کے غلبے میں اگر نماز کا وقت گزر جائے تو اس پر مؤاخذہ نہیں 'بلکہ جب جاگ آئے اٹھ کر نماز ادا کر لی جائے۔ بھوک انسانی کمزوری ہے چنانچہ قحط کے دنوں میں اناج یا کھانے کی چیز چرانا گناہ تو ہے مگر اس پر قطع ید کی سزا نہیں۔ میلانِ طبع کسی انسان کے اختیار میں نہیں' چنانچہ اگر ایک مرد کی دو بیویاں ہوں تو اسے عدل کا حکم تو ہے مگر اس عدل میں کسی ایک بیوی کی طرف میلانِ طبعی کے تحت کچھ زیادہ رغبت ہو تو وہ بھی درگزر کے قابل ہے۔ کسی کی بیٹی پر سوتن آجائے تو والدین کی ناخوشی بھی فطری امر ہے' حالانکہ مرد کو دو عورتیں رکھنے کی اجازت ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ کو جب حضرت

علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ دوسرے نکاح کا ارادہ رکھتے ہیں تو اسے پسند نہ فرمایا۔ دنیا میں دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں 'چنانچہ خوشی کے موقع پر اظہار خوشی کی اجازت ہے اور غم کے موقع پر اظہارِ غم اور آنسو بہانے پر گرفت نہیں۔ البتہ اظہار خوشی میں حدود و قیود کا خیال نہ رکھنا اور غم کے موقع پر بے صبری کے ساتھ گریہ و زاری اور شکوہ و شکایت کرنا ممنوع ہے۔ اسی طرح تلاوتِ قرآن اور نفلی عبادات میں اس وقت تک مشغول رہنا پسندیدہ

ہے جس وقت تک دل لگا رہے اور تکان محسوس نہ ہو۔ جب آمادگی نہ رہے تو چھوڑ دے اور دوسرے کاموں میں لگ جائے۔ بھوک پیاس کی طرح بول و بزار کی حاجت بھی فطری تقاضا ہے لہٰذا ایسی حالت میں فرض عبادت کو مؤخر کر کے فراغت حاصل کرنے کو اوّلیت دینا پسندیدہ ہے۔

چونکہ دو عورتوں کے درمیان رقابت کا جذبہ بھی فطری ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے پیالہ توڑنے والی عورت کے فعل کو صرف رقابت کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے نہ تو گرفت کی اور نہ ہی کوئی سخت جملہ بولا' بلکہ حقیقت حال کو یہ کہہ کر واضح کر دیا کہ تمہاری ماں کو غیرت آ گئی' یعنی اس نے یہ پسند نہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ تو میرے گھر میں ہوں اور میری بجائے کوئی دوسری بیوی اُن کی تواضع کا اہتمام کرے اور اپنے گھر سے کھانا بھیجے۔ البتہ آپؐ نے نقصان کی تلافی کا اہتمام ضرور کیا کہ جس بی بی نے پیالہ توڑا تھا اُس کے ہاں سے ایک پیالہ لے کر اس بی بی کے ہاں بھیج دیا جس کا پیالہ توڑ دیا گیا تھا۔ آپ کے اس عمل سے جہاں کھانا بھیجنے والی بی بی کا نقصان پورا گیا وہاں پیالہ توڑنے والی کو غیرت کے تحت کی گئی اس غلطی کا احساس بھی ہو گیا اور اسے پیالہ توڑنے کے بدلے نیا پیالہ بھی دینا پڑا۔

(12)نیکی پھیلانا اور بدی کو مٹانا

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ : ((مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ ' فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ ' فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ)) [رواہ مسلم]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ

فرماتے ہوئے سنا: ''تم میں سے جو شخص برائی دیکھے اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے اسے روک دے' اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو زبان سے اسے روک دے اور اگر اس کی بھی ہمت نہ ہو تو اپنے دل سے اسے برا جانے۔ اور یہ کمزور ترین ایمان ہے''۔

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے ظاہر ہے کہ ہر مسلمان اسلام کا مبلغ ہے۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ خود اسلامی تعلیمات پر عمل کرے اور دوسروں کو اس کی دعوت دے۔ اس کام میں کوتاہی کسی مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ دوسروں کو برائی سے روکنا بھی اُس کے فرائض میں شامل ہے۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی برائی ہوتے دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے ہاتھ سے روکے۔ یعنی اس برائی کو ختم کرنے اور روکنے کے لیے اپنی طاقت' قوت اور استعداد کو بروئے کار لائے۔ برائی کو پھلتے پھولتے دیکھنا گوارا نہ کرے

بلکہ خطرات کی پروانہ کرتے ہوئے اس برائی کے راستہ کی رکاوٹ بن جائے۔ چونکہ ہر کسی میں اتنی جرأت اور ہمت نہیں ہوتی کہ وہ خطرے کا مقابلہ کر سکے یا ردّعمل میں ہونے والے نقصان کو برداشت کر سکے تو ایسے شخص کے لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ برائی ہوتے دیکھے تو اسے زبان سے روکے۔ یعنی برائی کو روکنے کے لیے زبان استعمال کرے۔ برائی کرنے والوں کو سمجھائے' نصیحت کرے' خدا کا خوف دلائے 'نیز اس برائی پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناپسندیدگی واضح کرے۔

زبان سے روکنے کا دوسرا انداز قلم کا استعمال بھی ہے کہ برائی کے خلاف مضامین لکھے جائیں اور بروں کو اس برائی کے انجامِ بد سے خبردار کیا جائے۔ بعض اوقات اس راستے میں بھی خطرات کا اندیشہ ہوتا ہے۔ برے لوگ اپنے خلاف قلم اور زبان کے استعمال کو بھی برداشت نہیں کرتے اور وہ منع کرنے والوں کے لیے طرح طرح کے منفی ہتھکنڈے استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے ۔ اس لیے کچھ لوگ زبان اور قلم کے ذریعے بھی برائی کے راستے میں رکاوٹ بننے سے گھبراتے ہیں۔ ہاں وہ اُس برائی کے خلاف نفرت کے جذبات ضرور رکھتے ہیں' دل میں اُس برائی کے مٹ جانے کی تمنا کرتے ہیں 'اُن لوگوں کی تحسین کرتے ہیں جو ہاتھ اور زبان سے برائی کو روکنے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ کمزور ترین ایمان والے ہیں۔

مسلم شریف ہی کی ایک دوسری حدیث میں برائی کو فروغ دینے والوں کا ذکر کر کے

آپ ﷺ نے فرمایا:'' جو شخص ان لوگوں کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جہاد کرے گا وہ مؤمن ہے' اور جو اپنی زبان سے ان کے خلاف جدوجہد کرے گا وہ بھی مؤمن ہے اور جو اپنے دل سے اُن کے ساتھ جہاد کرے گا وہ بھی مؤمن ہے ۔اور اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں''۔ یعنی ایسے لوگ جن کے دلوں میں برائی دیکھ کر نفرت اور بیزاری کے جذبات پیدا نہیں ہوتے اُن کے اندر تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو معاشرے کے اندر برائیاں دیکھتے ہیں مگر نہ اُن کے خلاف طاقت استعمال کرتے ہیں نہ زبان۔ اگرچہ وہ خود اُن برائیوں کا ارتکاب نہیں کر رہے ہوتے مگر برائیوں کی اشاعت کی طرف سے آنکھیں بند کیے گوشۂ عافیت میں پڑے رہتے ہیں اور برائیوں کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف کسی طرح کا ردّعمل ظاہر نہیں کرتے 'بلکہ اُن کے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ رہتے ہیں۔ ایسے لوگ حقیقی ایمان سے تہی دامن ہیں کہ منکرات کی ترویج و اشاعت سے ان کی پیشانی پر بل تک نہیں پڑتا۔

یوں اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے اندر پیدا ہونے والے منکرات کے خلاف پسندیدہ ترین ردّعمل یہ ہے کہ طاقت کے ذریعے اُن کے سامنے دیوار کھڑی کر دی جائے ۔اس سے کم تر درجہ یہ ہے کہ

زبان اور قلم کے ذریعہ اس برائی کے خلاف جدوجہد کی جائے اور کمزور ترین رویہ جو کمزور ترین ایمان کی نشاندہی کرتا ہے ‘یہ ہے کہ اس برائی کو دل سے براجاناجائے۔ اور اگر یہ جذبہ بھی نہیں تو پھر رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔

اگر برائی کا راستہ نہ روکا جائے تو برائی بڑھتی جائے گی اور معاشرہ تباہی کی طرف چلتا جائے گا۔ اور یہ کسی مسلمان کے لیے گوارا نہیں کہ منکرات فروغ پائیں۔ مسلمان تو رسول اللہ ﷺ کے مشن کی تکمیل کے ذمہ دار ہیں۔ وہ تو معروف کو پھیلائیں گے اور منکرات کو مٹائیں گے۔ اور اگر وہ یہ کام نہیں کر رہے تو مؤمن کیسے ہوئے ! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی نیکیوں کو فروغ دینا اور برائیوں کا قلع قمع کرنا تو ہر مسلمان کے فرائض میں شامل ہے۔ اس میں کوتاہی کیسے قابل برداشت ہو سکتی ہے ! سورۃ المائدۃ میں ہے کہ:

{لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿ ۷۸ ﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿ ۷۹ ﴾ }

’’بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی ان پر حضرت دائود اور

حضرت عیسٰی علیہما السلام کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس لیے ہوا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حدودِ الٰہی سے تجاوز کرتے تھے (اور ان کا اصل جرم یہ تھا کہ) وہ ایک دوسرے کو شدت کے ساتھ ان برائیوں سے منع نہیں کرتے تھے جن کا وہ ارتکاب کرتے تھے۔ بہت ہی برا طرزِ عمل ہے جس پر وہ کاربند تھے‘‘۔

اس حدیث کی روشنی میں ہمارے لیے یہ سبق ہے کہ اوّل تو ہم خود نیک کام کریں‘ نیکی کو فروغ دیں اور برائیوں اور نافرمانیوں سے بچیں‘ ساتھ ہی ساتھ برائی کے خلاف حسبِ استطاعت ردِّعمل کا اظہار ضرور کریں۔ برائیوں کی اشاعت ہمارے لیے ہرگز گوارا نہ ہو۔ آج بے پردگی‘ عریانی‘ فحاشی‘ بے حیائی‘ لہو و لعب اور سود جیسی برائیوں کی بڑے پیمانے پر سرپرستی ہو رہی ہے۔ خلافِ سنت کاموں یعنی بدعات کو پھیلانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی ہر ممکن صلاحیت کو استعمال کر کے برائیوں کے قلع قمع میں مستعدی دکھائیں اور اللہ کے دین اور شریعت محمدیؐ کے ساتھ استہزاء و تمسخر کو ہرگز برداشت نہ کریں۔ اس وقت ہمارے معاشرے میں سب سے بڑا منکر اسلامی نظام کا عدم نفاذ ہے جس کی وجہ سے عدل و انصاف عنقا ہے۔ جرائم پیشہ لوگوں کو بڑے بڑے جاگیرداروں‘ سیاسی لیڈروں اور مقتدر شخصیتوں کی آشیرباد حاصل ہے۔ چوروں‘ ڈاکوئوں‘ لٹیروں اور دوسرے بڑے بڑے مجرموں کو سزا نہیں ملتی۔ غربت عام ہے اور عوام کی معاشی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ چنانچہ ہماری سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم بھرپور انداز میں نفاذِ اسلام کے لیے کوشش کریں۔ یہ کوشش انفرادی سطح

پر بھی ہو اور اجتماعی سطح پر بھی۔ اس سلسلہ میں کسی ایسی غیر سیاسی جماعت میں شامل ہونا بھی ضروری ہے جو غلبۂ دین اور نفاذِ شریعت کے لیے مثبت انداز میں کام کر رہی ہو، مگر اس کا منتہائے مقصود حصول اقتدار نہ ہو۔

(13) نجات کا ذریعہ

عَنْ عقُبْۃَ بْنِ عَامِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَا النَّجَاۃُ؟ قَالَ : ((اَمْسِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ وَلْیَسَعْکَ بَیْتُکَ، وَابْکِ عَلٰی خَطِیْئَتِکَ)) [سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء فی حفظ اللسان]

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میںنے عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ ! نجات کا کیا ذریعہ ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''اپنی زبان کو قابو میں رکھو، اپنے گھر میں پڑے رہو اور اپنے گناہوں پر روتے رہو''۔

اسلام بنی نوعِ انسان کے لیے سراسر رحمت کا پیغام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جہاں اطمینان و سکون کے لیے اللہ کے ذکر اور عبادت کی تلقین کی ہے وہاں شائستہ اور پُرسکون زندگی گزارنے کے انداز بھی سکھائے ہیں۔ اس حدیث میں سائل کے پوچھنے پر کہ نجات کا ذریعہ کیا ہے، آپ ﷺ نے تین باتوں کی تلقین کی۔ سب سے پہلے فرمایا کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ ذرا غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر گناہوں کا سبب زبان کا غیر محتاط استعمال ہی ہوتا ہے۔ چغلی، غیبت، جھوٹ سب زبان ہی کے گناہ ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو اس کے جسم کے تمام اعضاء زبان کے سامنے عاجزی کرتے اور کہتے ہیں کہ ہمارے معاملے میں خدا سے ڈر، اس لیے کہ ہم تیرے ساتھ ہیں، سو اگر تو ٹھیک رہے گی تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے اور اگر تو نے کج روی اختیار کی تو ہم بھی کج رو بن جائیں گے''۔ (ترمذی)

انسان کی دنیاوی عزت و وقار کے لیے بھی زبان کا اچھا استعمال ہی سبب بن سکتا ہے۔ بدکلام، سخت لُفتار اور مُنہ پھٹ شخص کے لیے لوگوں کے دل میں کوئی احترام نہیں ہوتا۔ اگر کوئی ایسے شخص کا احترام کرتا ہے تو صرف اُس کے شر کے خوف سے، ورنہ کسی کے دل میں بھی اس کی حقیقی قدر و منزلت نہیں ہوتی۔ صرف دنیا کی زندگی ہی نہیں بلکہ آخرت کی زندگی میں بھی کامیابی کا دار و مدار زبان کے صحیح استعمال پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا مشہور فرمان ہے جسے حضرت سہل بن سعید رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، اس میں آپؐ نے اس شخص کے لیے

جنت کی ضمانت دی ہے جس نے اپنی زبان پر قابو رکھا یعنی بدکلامی سے محفوظ رہا۔

قرآن مجید میں ہے:{مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿ ۱۸ ﴾}(سورۃ ق) ''کوئی شخص زبان سے کوئی بات نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ہی ایک نگران تیار ہوتا ہے (جو اُس کو ہوبہو لکھ لیتا ہے)''۔یعنی انسان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ اللہ تعالیٰ کے ہاں ریکارڈ ہو جاتا ہے اور اس کے نامۂ اعمال کا جزو بن جاتا ہے' پھر یہی نامۂ اعمال اس کے لیے جنت یا جہنم کا باعث بنتا ہے۔ دانائوں کا قول ہے کہ ''پہلے تولو 'پھر بولو!'' کیونکہ غیر محتاط گفتگو کے نتیجے میں

شرمندگی اور ندامت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اور ایک دفعہ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ واپس نہیں ہو سکتے۔ بعض اوقات تو زبان سے نکلے ہوئے تلخ الفاظ دوسروں کے لیے سخت پریشانی کا باعث بن جاتے ہیں۔ غالباً اسی حقیقت نے ضرب المثل کا روپ دھار لیا ہے کہ تلوار کا زخم تو مندمل ہو جاتا ہے مگر زبان کا نہیں ۔ معلم اخلاق حضرت محمد ﷺ سے جب پوچھا گیا کہ مسلمانوں میں سب سے افضل کون ہے تو آپؐ کا جواب تھا :''وہ شخص جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سالم اور محفوظ رہیں''۔ (بخاری و مسلم' عن ابی موسیٰ الاشعریؓ)

زبان کا غلط استعمال نری ہلاکت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف اندازمیں خوش گفتاری کی تلقین کی ہے اور تلخ گوئی سے باز رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بخاری اور مسلم میں موجود ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اُسے اچھی بات کہنی چاہیے یا پھر وہ خاموش رہے''۔

زبان سے ادا کیا ہوا ایک ایک جملہ دُور رس تأثیر رکھتا ہے۔ بخاری شریف کی ایک اورروایت میں جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں 'رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :'' بندہ بعض اوقات زبان سے خدا کی خوشنودی کی بات کرتا ہے مگر وہ اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کے درجات بلند کر دیتا ہے اور بعض اوقات بندہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی بات کر بیٹھتا ہے اور وہ اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتا اور وہ بات اس کو جہنم کی طرف لے جاتی ہے''۔ پس ضروری ہے کہ گفتگو میں ہمیشہ احتیاط ملحوظ رکھی جائے۔ خاص طور پر ایسی گفتگو سے سخت پرہیز کرنا چاہیے جس سے کسی دوسرے کی دل آزاری ہوتی ہو' نیز جھوٹ' غیبت 'گالم گلوچ اور طعن و تشنیع سے تو کسی وقت بھی اپنی زبان کو آلودہ نہیں ہونے دینا چاہیے۔

نجات کے حصول کے لیے دوسری بات جو آپؐ نے ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ گھر میں پڑے رہو۔ یعنی گھر سے باہر فضول گھومنا پھرنا بھی اچھی عادت نہیں۔ دینی و معاشی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے بعد زیادہ سے زیادہ وقت اپنے گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ گزارنا پسندیدہ ہے۔ بازار میں خرید و فروخت کے لیے تو جانا ہی ہوتا ہے مگر حصولِ

مقصد کے بعد جلدی سے واپس گھر لوٹنا اچھا ہے ‘کیونکہ زمین پر بدترین جگہیں بازار اور بہترین جگہیں مساجد ہیں۔ وہ اس لیے کہ بازاروں میں جھوٹی قسمیں کھا کر اور جھوٹ بول کر چیزیں بیچی جاتی ہیں ‘یعنی زبان

کا غلط استعمال عام ہوتا ہے جبکہ مساجد میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے جو زبان کا بہترین استعمال ہے۔ گھر کے اندر آدمی اپنے بچوں کی بہتر تربیت کا موقع پاتا ہے۔ پس گھر سے باہر ضرورت کے تحت ہی نکلنا چاہیے۔ گھر میں رہ کر بیوی بچوں کے مشاغل سے واقفیت رہتی ہے اور جہاں اصلاح کی ضرورت ہو وہاں مناسب قدم اٹھایا جا سکتا ہے جو ہر شخص کی ذمہ داری ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور اس سے اُس کے زیردستوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ روزی کمانے کے سلسلے میں طویل عرصے کے لیے گھر سے باہر رہنا پسندیدہ نہیں ہے‘ کیونکہ ایسی صورت میں گھر کا نظام درہم برہم ہونے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں اور اولاد بھی بے راہ رو ہو جاتی ہے۔

نجات کے حصول کے لیے تیسری بات آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی کہ اپنے گناہوں کو یاد کر کے روتے رہو۔ یہی خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی ہے۔ اللہ کا بندہ ہمیشہ اپنے ربّ کے حضور استغفار کرتا اور اپنے گناہوں پر پچھتاتا اور روتا رہے۔ چونکہ انبیاء کے علاوہ کوئی شخص بھی گناہوں سے پاک نہیں اس لیے ہر شخص کو استغفار کرنے کی ضرورت ہے اور اسی لیے استغفار کی ترغیب دی گئی ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ :’’میں ہر روز ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ کے سامنے استغفار کرتا ہوں‘‘۔ پس اللہ کے رسول ﷺ کی پیروی میں استغفار کرنا اور خوفِ خدا کے ساتھ رات کے اوقات میں عبادت میں مشغول ہو کر آنسو بہانا بڑی فضیلت کا باعث ہے۔ سنن ابن ماجہ میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل ہوا ہے: ’’اللہ کے خوف اور ہیبت سے جس بندۂ مؤمن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں ‘اگرچہ وہ مقدار میںبہت کم ہوں ‘مثلاً مکھی کے سر کے برابر ہوں‘ پھر وہ آنسو بہہ کر اُس کے چہرے پر پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آتشِ دوزخ کے لیے حرام کردے گا‘‘۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ تلاوتِ قرآن کے وقت رونا مستحب ہے ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’وہ شخص جو اللہ کے خوف سے رویا وہ جہنم میں نہیں جائے گا جب تک کہ دوہا ہوا دودھ دوبارہ تھنوں میں نہ لوٹ جائے ‘‘۔ (ترمذی) یعنی یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے گناہوں پر اللہ کے حضور ندامت کے آنسو بہائے اور پھر بھی دوزخ میں جائے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے

ہوئے سنا کہ :''دو آنکھیں ایسی ہیں کہ اُن کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی :ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستہ میں رات بھر پہرہ دیا''۔(ترمذی)

اللہ اور بندے کا تعلق معبود اور عبد کا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے: {وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ﴿۲۸﴾} (النساء)'' انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے''۔ اسی فطری کمزوری کی وجہ سے اس سے معصیت کے کام سرزد ہو جاتے ہیں۔ پھر گمراہ تو وہ ہے جو معصیت کے ارتکاب میں مصروف اور مشغول رہے' مگر خدا کا بندہ وہ ہے جو گناہ کے بعد افسوس کرے اور اللہ تعالیٰ سے معافی چاہے۔ پروردگار کو اپنے بندوں کا یہ طرزِ عمل بہت پسند ہے ۔ خود قرآن مجید میں ہے : {وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿ ۳۳ ﴾} (الانفال) ''اور اللہ تعالیٰ اُن کو عذاب دینے والا نہیں ہے جبکہ وہ بخشش مانگنے والے ہوں''۔ اور بخشش مانگنے کا یہ انداز کہ انسان اپنے گناہوں پر ندامت کے آنسو بھی بہا رہا ہو 'پروردگار کے ہاں پسندیدہ ہے۔

امام ابن جریرؒ نے عبد الاعلیٰ تیمیؒ کا یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ ''جس شخص کو صرف ایسا علم ملا جو اس کو رلاتا نہیں تو سمجھ لو کہ اُس کو علم نافع نہیں ملا''۔ سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کبھی کھلکھلا کر نہیں ہنسے 'بلکہ صرف مسکرا دیتے تھے 'مگر آپؐ خدا کے حضور راتوں کو کثرت کے ساتھ روتے تھے۔ یوں سنّت نبویؐ کی پیروی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور صلحاء و اتقیاء کا راتوں کی تاریکی اور سکون میں اپنے خالق و مالک کے ساتھ لو لگا کر گریہ و زاری کرنا معمول رہا ہے ۔ افسوس کہ آج ایسا کرنے والے لوگ بہت قلیل تعداد میں رہ گئے ہیں 'جبکہ اکثر کی زندگی میں خوفِ خدا اور ذکرِ آخرت نام کی کوئی چیز نہیں اور ان کی ساری کاوش اور تگ و دو نفسانی خواہشات کے پورا کرنے کے گرد گھومتی ہے۔ لااُبالی پن اور شتر بے مہار کی سی آزادانہ زندگی ہرگز کسی مسلمان کا شیوہ نہیں۔ بلکہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے اُسوۂ حسنہ کو اپناتے ہوئے اچھی گفتگو کرنا' اپنے اہل و عیال کے بارے میں اپنی ذمہ داری پوری کرنا اور فضولیات سے پرہیز کرتے رہنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور ندامت کے آنسو بہانا اور استغفار کرنا ہی ایک سچے مسلمان کا طریقہ ہے۔

(14)فرائضِ والدین

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّہٗ قَالَ: ((اَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِہٖ ، فَالْاَمِيْرُ الَّذِیْ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِہٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِہٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ وَالْمَـرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِہٖ وَهِیَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلٰى مَالِ سَيِّدِہٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْہُ ، اَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِہٖ)) [صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل وعقوبۃ الجائر والحث علی الرفق]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اُس سے اُس کے ماتحتوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔ پس حاکم اپنے ماتحتوں کا ذمہ دار ہے اور اُس سے اُن کے متعلق پوچھا جائے گا، اور مَرد اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے اور اُس سے اُن کے بارے میں جواب طلبی کی جائے گی، اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی اور بچوں کی ذمہ دار ہے اور اُس سے اُن کے متعلق بازپُرس کی جائے گی اور غلام اپنے آقا کے مال کا ذمہ دار ہے اور اُس سے اُس کے متعلق پوچھا جائے گا۔ خبردار رہو! تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اُس کی ذمہ داری کے متعلق سوال کیا جائے گا۔''

یہ حدیث احساسِ ذمہ داری کے متعلق ہے۔ عربی زبان میں ''رَاعٍ'' کا معنی ہے چرواہا اور ''رعیۃ'' ریوڑ کو کہتے ہیں۔ جس طرح چرواہا اپنے ریوڑ کی نگہداشت، دیکھ بھال، بھوک پیاس اور دوسری ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار ہے اسی طرح مسلمانوں کا ہر فرد ذمہ دار ہے اور اُسے اپنی ذمہ داری کو بہترین انداز میں پورا کرنا ہے، کیونکہ آخرت میں اس سے اپنی ذمہ داری کے متعلق بازپُرس ہوگی۔ مرد خاندان کا سربراہ ہے۔ اُس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کی ضروریات پوری کرے، اُن کی تربیت کرے اور انہیں اچھے اخلاق سکھائے۔ اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ وہ اپنے افرادِ خانہ کو دوزخ کی آگ سے بچانے

کی فکر کرے۔ اُنہیں نماز روزے کی تلقین کرے، اسلامی تعلیمات سے روشناس کرائے، اُن کے کردار و عمل پر نگاہ رکھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود اپنے فکر و عمل سے مثالی نمونہ پیش کرے۔ اپنے بیوی بچوں کو محض پند و نصائح کرنا کافی نہیں۔ اگر اس کا اپنا عمل اُس کی گفتار کے مطابق نہیں تو صرف ہدایات جاری کرنا بے سود ہوگا۔ قرآن مجید میں تو اِس طرزِ عمل پر شدید وعید بایں الفاظ نازل ہوئی ہے:

{يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾ } (الصّف)

''اے ایمان (کا دعویٰ کرنے) والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں۔''

دو ٹوک بات ہے کہ جب گھر کا سربراہ خود سگریٹ پیتا ہو تو وہ اپنے بچوں کو سگریٹ نوشی سے کیسے روک سکتا ہے!

اسی طرح اگر وہ خود نماز کی پابندی نہیں کرتا ' وعدہ نہیں نبھاتا' جھوٹ بولتا ہے' بدزبانی کرتا اور گھٹیا کردار کا حامل ہے تو وہ اپنی اولاد کو اِن رذائل سے کیسے بچا سکتا ہے ! گویا صاحبِ خانہ کو ایک اچھے مسلمان کی سی زندگی گزارنا ہو گی تاکہ اُس کے گھر والے خود بخود اُس کے نقش قدم پر چل کر پسندیدہ کردار اپنا سکیں۔

اسی طرح عورت اپنے شوہر کے گھر کی اور بچوں کی ذمہ دار ہے۔ وہ اپنے شوہر کے گھر میں کسی ایسے شخص کو داخل نہ ہونے دے جس کی اُس کا شوہر اجازت نہ دے' گھر کو صاف ستھرا رکھے' شوہر کے مال کو اُس کی مرضی کے بغیر خرچ نہ کرے' شوہر کی خوشنودی کے حصول میں کوشاں رہے۔ اگر بالفرض شوہر کے کردار میں کچھ کمزوریاں ہوں تو بھلے طریقے سے اسے سمجھائے۔ پھر وہ اپنے بچوں کی بھی ذمہ دار ہے۔ اُن کی کردار سازی میں جس طرح مَرد ذمہ دار اور جواب دہ ہے عورت بھی ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔ ماں کی گود بچے کا پہلا مدرسہ ہے۔ ماں اگر مضبوط کردار کی حامل ہو گی تو اولاد پر اُس کا گہرا اثر پڑے گا۔ اگر عورت ناچ گانے کی رسیا' پردے سے عاری اور نیم عریاں لباس پہننے والی ہو گی تو وہ اپنے بچوں کو ایمان و یقین اور قرآن و حدیث کے قریب کیسے لائے گی؟ اُس کے بچے تو لازماً حیا باختہ اور ماں کے برے کردار و عمل کا نمونہ ہو گے۔ ہاں 'اگر وہ خاتونِ جنت اور رسول اکرم ﷺ کی پیاری بیٹی

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سیرت کو اپنا راہنما بنائے گی تو ضرور باصلاحیت' باکردار اور پاکباز بچے جنے گی۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو {قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا} (التحریم:۶) (تم خود بھی آگ سے بچو اور اپنے گھر والوں کو بھی آگ سے بچاؤ) کے الفاظ میں تنبیہہ کر کے حقیقی خطرے سے آگاہ کر دیا ہے۔ یعنی ماں باپ کا فرض ہے کہ وہ خود بھی جہنم سے بچنے کا سامان کریں اور اپنی اولاد کو بھی اس آگ سے بچائیں ۔ لیکن افسوس کہ آج ماں باپ کو اپنے بچوں کے لباس و خوراک وغیرہ کی تو فکر ہے' اُن کی دنیاوی تعلیم پر وہ ہزاروں روپے ماہوار خرچ کرتے ہیں 'مگر اُن کے سیرت و کردار کی اصلاح کی طرف توجہ نہیںدیتے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچے ڈاکٹر' انجینئر' قانون دان اور حکمران وغیرہ تو بن جاتے ہیں مگر اچھے انسان اور اچھے مسلمان نہیں بن پاتے۔

مذکورہ بالا حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے واضح طور پر فرما دیا کہ اولاد کے بارے میں ماں باپ سے پوچھ گچھ ہو گی۔ اگر اس معاملے میں کوتاہی کی گئی تو انجام اچھا نہ ہو گا۔ بے نمازی ماں باپ بے شک اولاد کو صبح و شام نماز پڑھنے کی تلقین کریں مگر عملی طور پر وہ انہیں نماز نہ پڑھنے کا سبق دے رہے ہیں۔ کیونکہ اصل محرک تو انسان کا کردار ہے۔ کسی دانش ور نے بہت خوب کہا ہے کہ ہزاروں ٹن وعظ کے مقابلے میں ایک اونس عمل کا وزن زیادہ ہے۔ لہٰذا والدین کا فرض ہے کہ وہ خلافِ شریعت اعمال سے خود بھی پرہیز کریں اور اپنی اولاد کو بھی بہر صورت گناہوں کے کاموں سے روکیں۔ والدین کا اچھا نمونہ یقینا اولاد کو متاثر کرے گا۔ بقولِ علامہ اقبال : ؎

بتولے باش وپنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرےؓ بگیری

''اے خاتون !تو اُسوۂ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا اختیار کر اور زمانے کی نظروں سے اوجھل زندگی گزار ‘یعنی پردہ اختیار کر۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ پھر تیری گود میں ایک حسینؓ پرورش پائے گا۔''
عام طور پر ہم والدین کی فضیلت کی قرآنی آیات اور احادیثِ شریفہ پڑھتے اور سنتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ ماں باپ کی تو بڑی فضیلت ہے۔ باپ کے غصہ میں اللہ کی ناراضگی ہے اور اُس کی رضامیں اللہ کی رضا ہے ۔ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے ۔مگر بطور والدین

ہم اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتے ۔یوماولاد سے اپنے حقوق تو مانگتے ہیں مگر اپنے فرائض کی ادائیگی سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔یقینا یہ بہت بڑی خود فریبی ہے۔اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا کہ غلام بھی جواب دہ ہے کہ اُس نے اپنے آقا کا مال اس کی مرضی کے مطابق خرچ کیا یا خیانت کی۔
بہرحال اس حدیث کے ذریعہ تمام مسلمانوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ وہ اپنے زیرِ اثر افراد کی کردار سازی میں کسی طرح کی غفلت اور عدم توجہی اختیار نہ کریں ‘بلکہ پوری کوشش اور جدوجہد کے ساتھ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کریں ‘جس کے لیے پہلا قدم یہ ہے کہ خود اچھے مسلمان بنیں‘ قرآن سیکھیں‘ سیرت کا مطالعہ کریں‘ بزرگانِ دین اور صالح لوگوں کے مضبوط کردار سے واقفیت حاصل کریں اور اس کی روشنی میں پسندیدہ شخصیت بنیں۔ نتیجتاً نیکیاں اختیار کریں اور برائیوں سے پرہیز کریں‘ تاکہ خود دوزخ کی آگ سے محفوظ رہیں اور دوسرے قدم کے طور پر اپنے بیوی بچوں کے حقوق سے آگاہی حاصل کر کے انہیں اچھے اخلاق اور مضبوط کردار سے آراستہ کریں ۔ اولاد کی تربیت اسلامی خطوط پر استوار کرنے کے لیے اور ماں باپ کی حقیقی فضیلت کا اہل بننے کے لیے اچھا ماں باپ بننا ضروری ہے۔ اس ضمن میں ہمہ وقت اپنے اخلاق و کردار پر تنقیدی نگاہ ڈالنا ناگزیر ہے۔

(15)موت اور افلاس میں خیر کا پہلو

عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((اِثْنَانِ يَكْرَهُهُمَا ابْنُ اٰدَمَ : يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِّلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَيَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ وَقِلَّةُ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ)) (مسند احمد)

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ''دو چیزیں ایسی ہیں جن کو آدمی ناپسند ہی کرتا ہے (حالانکہ ان میں اس کے لیے بڑی بہتری ہوتی ہے) : ایک تو وہ موت کو نہیں پسند کرتا' حالانکہ موت اس کے لیے فتنہ سے بہتر ہے' اور دوسرے وہ مال کی کمی اور ناداری کو پسند نہیں کرتا' حالانکہ مال کی کمی آخرت کے حساب

کو بہت مختصر اور ہلکا کرنے والی ہے''۔

یہ حقیقت ہے کہ ہر آدمی موت کو ناپسند کرتا ہے اور غربت اور افلاس سے گھبراتا ہے' حالانکہ موت انسان کو دنیا کے دکھوں' آزمائشوں اور پریشانیوں سے محفوظ کر دیتی ہے۔ اسی طرح مال و دولت کی کمی اگرچہ زندگی کو بے مزہ رکھتی ہے لیکن اگر انسان مشکل کا یہ وقت صبر و استقلال کی کیفیت اور شکر کے جذبات کے ساتھ گزار لیتا ہے تو آخرت میں وہ احتساب کے مرحلے سے جلد اور آسانی کے ساتھ فارغ ہو جائے گا۔

موت طبعی طور پر ہر شخص کو ناپسند ہے 'کیونکہ موت دنیاوی زندگی کے خاتمے کا نام ہے۔ زندگی کے دوران انسان کئی طرح کے مشاغل میں مصروف ہوتا ہے۔ اس کی اپنے اہل و عیال ' عزیز و اقارب اور دوست احباب کے ساتھ گہری اور فطری وابستگی ہوتی ہے 'مگر موت ان سارے تعلقات کو یکسر معدوم کر دیتی ہے' لہٰذا انسان کو دنیاوی تعلقات کا چھوٹنا گوارا نہیں ہوتا۔ موت کا خوف انسان کو اس اعتبار سے بھی ہوتا ہے کہ اگلی زندگی میں پہلی منزل قبر کی ہوگی جہاں سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو جائے گا' پھر برزخی زندگی سے گزرنا ہوگا اور قیامت کے دن محاسبے کا سامنا کرنا ہوگا جہاں زندگی کے چھوٹے بڑے اعمال کی جواب دہی کرنا ہوگی اور جواب دہی سے ہر کسی کو ڈر لگتا ہے۔

مگر موت کا خوش آئند پہلو یہ ہے کہ مرنے کے ساتھ ہی انسان زندگی کے لوازمات یعنی بیماری' دکھ' تکالیف' حادثات' صدمات' تفکرات اور پریشانیوں سے چھوٹ جاتا ہے۔ دنیا میں انسان ہمہ وقت آزمائش میں ہے۔ قدم قدم پر جائز و ناجائز کی پابندیاں ہیں۔ لمحہ بہ لمحہ خواہشاتِ نفس برائی کی طرف دامن کھینچ رہی ہیں مگر موت اس فتنے اور آزمائش کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ حدیث میں دنیا کو مؤمن کے لیے قید خانہ کہا گیا ہے۔ گویا مؤمن کی موت قیدِ حیات سے رہائی کا مرحلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موت کو مؤمن کا تحفہ کہا جاتا ہے ۔ مؤمن نے دنیا کی زندگی میں نیک اور صالح اعمال کیے ہوتے ہیں 'اس کے یہ اچھے اعمال اُس کے لیے ذخیرۂ آخرت ہیں جن کا وہ ربّ ذوالجلال سے بھرپور بدلہ پائے گا۔ کیونکہ پروردگار کا ارشاد ہے کہ وہ کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ پس مؤمن نے اگر

خلوصِ دل کے ساتھ اللہ کی عبادت کی ہو گی ‘زندگی میں نافرمانیوں سے بچتا رہا ہو گا‘ اللہ کی رضا والے کام کرتا رہا ہو گا اور برائیوں

سے حتی الوسع دور رہا ہو گا تو اُسے جنت کی بشارت موت کے وقت متبسم رکھے گی۔ موت اسے گویا لقائِ الٰہی کا موقع فراہم کر رہی ہے ۔وہ اس پروردگار سے ملاقات کرنے والا ہے جسے اس نے دنیا میں راضی رکھنے کی کوشش کی ہے اور اُس کی ناراضی سے بچتا رہا ہے۔ یوں اس نے اپنے پروردگار کے ساتھ اچھی شناسائی پیدا کی ہوئی ہے۔ تو اب موت اُس کے لیے کسی صدمے اور پریشانی کا باعث کیوں ہو گی ! علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

نشانِ مردِ مؤمن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

’’میں تجھے مردِ مؤمن کی نشانی بتاتا ہوں ۔جب اسے موت آتی ہے تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے‘‘۔ (اے اللہ ہم ایسی موت کی تمنا کرتے ہیں !)

دوسری چیز جس کو آدمی پسند نہیں کرتا ‘وہ مفلسی اور ناداری ہے ۔کیونکہ مفلس آدمی دنیا کی آسائشوں سے محروم رہتا ہے‘ اسے خوشحالی کی زندگی میسر نہیں ہوتی۔ مال و دولت کی کمی کی وجہ سے وہ دنیا کی نعمتیں حاصل نہیں کرسکتا۔ اسے تنگی اور عسرت کے ساتھ وقت گزارنا پڑتا ہے۔ وہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورتیں پوری نہیں کر سکتا۔ اس کا دل چاہتا ہے کہ دوسرے لوگوں کی طرح اس کے پاس بھی راحت و آرام کے سارے سامان موجود ہوں‘ مگر اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوتی۔ یوں غریب آدمی اس راحت و آرام سے عاری زندگی سے خوش نہیں ہوتا۔مگر اس میں خیر کا پہلو بھی ہے ‘اور وہ یہ کہ مال و دولت کے ساتھ جہاں آدمی اپنی زندگی میں سہولتیں اور آسائشیں حاصل کر لیتا ہے وہاں اسی دولت کے بل بوتے پر بڑے بڑے گناہ بھی کر بیٹھتا ہے ۔دولت مند آدمی اسراف اور تبذیر میں بتلا ہو جاتا ہے۔ مال کی محبت دوسروں کی حق تلفی کا سبب بنتی ہے۔ جہاں جہاں مال و دولت خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں اسے خرچ کرنا گوارا نہیں ہوتا ۔ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا ‘فی سبیل اللہ خرچ نہیں کرتا‘ قریبی رشتہ داروں‘ ناداروں اور مستحقین کی مدد نہیں کرتا۔ اس طرح وہ اللہ کے دیے ہوئے مال کو اللہ کی رضا اور مرضی کے مطابق خرچ نہیں کر پاتا اور اپنے پروردگار کو ناراض کر بیٹھتا ہے۔ روزِ حساب مال و دولت کے بارے میں جب ایسے شخص سے باز پُرس ہو گی تو وہ قصور وار ٹھہرے گا۔ جتنا زیادہ مال دار ہو گا اُس کا اتنا ہی لمبا چوڑا حساب ہو گا۔ اور جب ذرے ذرے کا حساب ہوا تو کون ایسا ہو گا جو اپنی

دولت کا حساب دے سکے گا۔ مگر غریب اور مفلس اس بہت بڑے محاسبے سے بچ جائے گا۔ جب اس کے پاس ضروریاتِ زندگی کے لیے ہی مال نہ تھا تو وہ فضول خرچی سے خود بخود بچ گیا۔ جب وہ خود مستحقین میں شامل ہو گا تو حج اور زکوٰۃ کے بارے میں اُس سے سوال ہی نہیں ہو گا۔ یوں یہ مفلس و نادار اگر صبر کے ساتھ زندگی گزارنے میں کامیاب ہو گیا' کمائی کے ناجائز ذرائع کے قریب نہ گیا تو وہ حساب کے مرحلے سے آسانی کے ساتھ گزر جائے گا جو بہت بڑی کامیابی ہے۔

مال و دولت بہت بڑا فتنہ ہے جس سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہونا آسان کام نہیں۔ اسی لیے انبیاء اور صالحین نے دولت کی تمنا نہیں کی۔ انہوں نے عسرت کی زندگی کو خوشحالی کی زندگی پر ترجیح دی۔ خود رسول اللہ ﷺ نے فقر و فاقہ کی زندگی پسند کی' جس میں مفلس و نادار لوگوں کے لیے بہت بڑی تسلی ہے۔ آپؐ کا یہ فقر اختیاری تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپؐ نے فرمایا میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور اُس نے کہا اے محمد! آپؐ کے ربّ آپ کو سلام کہہ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اگر آپ چاہیں تو مکہ کے پتھریلے میدان آپ کے لیے سونا بنا دوں! حضرت علیؓ کہتے ہیں حضور ﷺ نے آسمان کی طرف منہ کر کے عرض کیا: نہیں، اے میرے ربّ میں یہ نہیں چاہتا۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن سیر ہو کر کھاؤں تاکہ آپ کا شکر اور تعریف کروں' اور ایک دن بھوکا رہوں تاکہ آپ سے مانگوں۔ (حیات الصحابہ' حصہ دوم)

غربت اور افلاس کے ساتھ شکوہ و شکایت اور بے صبری نہ ہو تو ایسا فقر و فاقہ بہت بڑی سعادت ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو راضی برضا رہتے ہوئے زندگی گزار رہے ہیں اور لذائذ حیات کے حصول کی خاطر ناجائز ذرائع اختیار نہیں کرتے۔

پس جس شخص نے زندگی میں اعمال صالحہ کیے اور منکرات سے بچتا رہا موت اس کے لیے بڑی نعمت ہے کہ ایک طرف وہ دنیا کی مشقت اور آزمائش سے فارغ ہوا اور دوسری طرف وہ آنے والی زندگی میں کامیاب ٹھہرا۔ اسی طرح جس شخص پر عسرت و غربت طاری رہی زندگی مشقت اور بدحالی میں گزاری مگر وہ حرفِ شکایت لب پر نہیں لایا بلکہ صبر اور شکر کی تصویر بنا رہا۔ تو اُس کے لیے یہ فقر و فاقہ واقعی ایک نعمت سے کم نہیں۔

(16)بدعتیوں کا انجام

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ :((اِنِّیْ فَرَطُکُمْ عَلَی الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَیَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ یَظْمَأْ اَبَدًا لَیَرِدَنَّ عَلَیَّ اَقْوَامٌ اَعْرِفُھُمْ وَیَعْرِفُوْنِیْ ثُمَّ یُحَالُ بَیْنِیْ وَبَیْنَھُمْ فَاَقُوْلُ اِنَّھُمْ مِنِّیْ فَیُقَالُ اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَیَّرَ بَعْدِیْ))(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں حوضِ کوثر پر تمہارا میرِ ساماں ہوں (اور تم سے آگے جا کر تمہاری پیاس کا انتظام کرنے والا ہوں) جو میرے پاس پہنچے گا وہ آبِ کوثر سے پیئے گا' اور جو اس کو پی لے گا پھر کبھی بھی وہ پیاس میں مبتلا نہ ہو گا۔ وہاں کچھ لوگ جن کو میں بھی پہچانوں گا اور وہ بھی مجھے پہچانیں گے' لازماً میری طرف آئیں گے' لیکن میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی (اور انہیں میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا) تو میں کہوں گا کہ یہ آدمی تو میرے ہیں' پس مجھے جواب دیا جائے گا کہ آپؐ' کو معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے آپ ؐ کے بعد کیا نئی نئی باتیں نکالیں '(اور دین میں کیا کیا رخنے ڈالے) تو میں کہوں گا کہ بربادی اور دوری ہو ان کے لیے جنہوں نے میرے بعد دین میں فرق ڈالا اور اس کو گڑبڑ کیا''۔

اس حدیث میں حوض کا لفظ آیا ہے'جس سے مراد حوضِ کوثر ہے۔ الکوثر قرآن مجید کی ایک سورت ہے جس کی پہلی آیت ہے: {اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ؕ﴿۱﴾}یعنی ''ہم نے آپؐ' کو کوثر عطا کی''۔ کوثر کا مطلب علماء ومفسرین ''خیر کثیر'' بتاتے ہیں کہ یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے 'جنہیں بہت سی بھلائیوں سے نوازا گیا ہے۔ ان بھلائیوں میں دنیا و آخرت کی بھلائیاں ہیں اور انہی بھلائیوں میں ایک بھلائی حوضِ کوثر کا عطیہ ہے جس سے قیامت کے دن آپؐ 'کو نوازا جائے گا۔

کوثر جنت کی نہر ہے جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہو گا۔ اس

نہر کی کئی شاخیں ہوں گی ۔ میدان حشر میں ایک بڑا حوض ہو گا جس کا پانی نہر کوثر سے آئے گا' یہی حوض حوضِ کوثر ہے۔ رسول اللہ ﷺ روزِ محشر اس حوض پر موجود ہوں گے اور اپنے اُمتیوں کو حوض کوثر کا پانی پلائیں گے۔ اس پانی کی تأثیر ایسی ہو گی کہ جو ایک دفعہ پی لے گا اسے محشر کی طویل مدت میں پیاس نہیں لگے گی۔ حوضِ کوثر کی وسعت ایک ماہ کی مسافت ہے' یعنی ایک مسافر ایک ماہ میں جتنا فاصلہ طے کرتا ہے اتنی اس کی لمبائی ہو گی۔ یہ حوض مربع شکل کا ہے' اس کا طول و عرض برابر ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہو گا ۔ اس کی خوشبو مشک سے بھی بہتر ہو گی۔ اس کے کوزے انتہائی خوبصورت اور تعداد میں آسمان کے ستاروں کی مانند ہوں گے۔ یہ حوض رسول اللہ ﷺ کی اُمت کے لیے ایک بڑی نعمت ہو گا۔ بڑے خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ جن کو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں حوضِ کوثر کا پانی پینے کو ملے گا۔ اللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔آمین!

مگر اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر بھی دی ہے کہ وہاں کچھ لوگ آئیں گے جنہیں میں بھی پہچانوں گا اور وہ بھی مجھے پہچانیں گے۔ وہ میری طرف (حوضِ کوثر کا پانی پینے کے لیے) آئیں گے ،لیکن میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی۔ یعنی انہیں میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا۔ میں کہوں گا کہ یہ آدمی تو میرے ہیں، لیکن مجھے غیب سے جواب دیا جائے گا کہ آپؐ کو معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے آپؐ کے بعد کیا نئی نئی باتیں نکالیں۔ اس پر میں کہوں گا کہ بربادی ہو اِن پر جنہوں نے میرے بعد دین میں فرق ڈالا۔

گویا اُمت ہی کے کچھ افراد وہ بھی ہوں گے جو حوضِ کوثر کے پانی سے محروم رہیں گے۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔ وہ لوگ کون ہوں گے؟ حدیث کے الفاظ بتاتے ہیں کہ وہ بدعات اختیار کرنے والے ہوں گے۔ انہوں نے دین میں نئی نئی باتیں شامل کی ہوں گی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر دین مکمل کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کامل بلکہ اکمل دین اُمت کے حوالے کیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

{ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا } (المائدۃ:۳)

''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کر دی اور میں نے تمہارے لیے دین اسلام پسند کیا۔''

عام فہم سی بات ہے کہ جس چیز کو اللہ نے مکمل کر دیا اور رسول اللہ ﷺ نے بلاکم و کاست اُمت کے حوالے کر دیا اس میں کمی بیشی کی کہاں گنجائش ہو سکتی ہے! ہاں ہر مکمل چیز میں کمی بیشی کی گنجائش موجود ہوتی ہے ،مگر یہ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جنہیں انسانوں نے مکمل کیا ہوتا ہے، انہیں دیکھ کر دوسرے لوگ کچھ خامیوں کی نشاندہی کر سکتے ہیں جنہیں بنانے والے بھی تسلیم کر لیتے ہیں، کیونکہ دنیا میں تو خوب سے خوب تر کا درجہ ہر وقت موجود رہتا ہے۔ مگر جس چیز کو ربّ العالمین مکمل کر دے اُس میں کمی بیشی کا امکان تو خارج از بحث ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تو ہر طرح کے عیب اور نقص سے پاک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اُمت کو تنبیہہ کر گئے کہ جو دین میں تمہارے سپرد کر کے جا رہا ہوں اس پر عمل کرنا اور اس میں کوتاہی نہ کرنا اور نہ ہی اس میں نئی نئی چیزیں داخل کرنا۔ بلکہ جو تمہیں دیا جا رہا ہے یہ کافی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو تم میں سے زندہ رہے گا تو وہ جلد ہی بہت اختلاف دیکھے گا، تو تم پر لازم ہے کہ میرے طریقے اور خلفائے راشدین کے طریقے کو مضبوطی سے پکڑ لو اور نئی نئی باتوں سے بچ کر رہو، کیونکہ ہر بدعت (نئی چیز) گمراہی ہے''۔ (ابوداؤد، ترمذی)

یہی تعلیم ہمیں قرآن مجید میں دی گئی ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول سے خلفائے راشدین کے عمل کو بھی معیاری قرار دے دیا۔ پس جو عمل رسول

اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں نہ تھا اور پھر خلفائے راشدین کے تیس سالہ دور میں بھی موجود نہیں تھا وہ دین کا کام کیسے شمار ہو سکتا ہے! کیونکہ اگر بعد کے ایجاد کردہ عمل کو بھی دین میں شامل کر لیا جائے تو یقیناً یہ بدعت ہے اور ایسا کرنے والا دین میں اضافے کا مرتکب ہے۔

نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ عمل کرنے کے لیے سنت رسولؐ اور سنت خلفائے راشدین کافی ہے اور دین میں مزید کسی طرح کے اضافے کی ہرگز حاجت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں خالص دین پر عمل کرنے کی توفیق دے اور ہر طرح کی بدعات سے دور رکھے' جو دین اسلام کا حصہ قطعاً نہیں ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں روایت کردہ حدیث صحت کے لحاظ سے بلند ترین درجے کی حدیث ہوتی ہے' اور زیردرس حدیث صحیحین سے لی گئی ہے۔ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس پر عمل کرنا ضروری ہے 'تاکہ حوضِ کوثر کے پانی سے محروم لوگوں میں شمولیت کا امکان نہ رہے۔

(17) حکیمانہ نصائح

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ بِطُوْلِہٖ اِلٰی اَنْ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَوْصِنِیْ! قَالَ: ((اُوْصِیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ فَاِنَّہٗ اَزْیَنُ لِاَمْرِکَ کُلِّہٖ)) قُلْتُ زِدْنِیْ! قَالَ :((عَلَیْکَ بِتِلَاوَۃِ الْقُرْآنِ وَذِکْرِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّہٗ ذِکْرٌ لَکَ فِی السَّمَائِ وَنُوْرٌ لَکَ فِی الْاَرْضِ)) قُلْتُ زِدْنِیْ! قَالَ:((عَلَیْکَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَاِنَّہٗ مِطْرَدَۃٌ لِلشَّیْطَانِ وَعَوْنٌ لَکَ عَلٰی اَمْرِ دِیْنِکَ)) قُلْتُ زِدْنِیْ! قَالَ: ((اِیَّاکَ وَکَثْرَۃَ الضَّحْکِ فَاِنَّہٗ یُمِیْتُ الْقَلْبَ وَیَذْھَبُ بِنُوْرِ الْوَجْہِ)) قُلْتُ زِدْنِیْ! قَالَ : ((قُلِ الْحَقَّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا)) قُلْتُ زِدْنِیْ! قَالَ: ((لَا تَخَفْ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ)) قُلْتُ زِدْنِیْ! قَالَ : ((لِیَحْجُزْکَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَفْسِکَ)) (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں: میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' اس کے بعد (یا تو خود حضرت ابوذرؓ نے' یا ان سے روایت کرنے والے نیچے کے راوی نے) ایک طویل حدیث بیان کی (جس کو یہاں بیان نہیں کیا گیا ہے)۔ اسی سلسلۂ کلام میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا :یارسول اللہ ﷺ !مجھے وصیت فرمائیے! آپؐ نے ارشاد فرمایا:''میں تم کو وصیت کرتا

ہوں اللہ کے تقویٰ کی، کیونکہ یہ تقویٰ بہت زیادہ آراستہ کر دینے والا اور سنوار دینے والا ہے تمہارے سارے کاموں کو۔'' ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرتؐ! اور وصیت فرمایئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''تم قرآن مجید کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کو لازم پکڑ لو، کیونکہ یہ تلاوت اور ذکر ذریعہ ہو گا آسمان میں تمہارے ذکر کا، اور اس زمین میں نور ہو گا تمہارے لیے''۔ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے پھر عرض کیا: حضرتؐ! مجھے کچھ اور نصیحت فرمایئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''زیادہ

خاموش رہنے اور کم بولنے کی عادت اختیار کرو، کیونکہ یہ عادت شیطان کو دفع کرنے والی اور دین کے معاملے میں تم کو مدد دینے والی ہے''۔ ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ مجھے اور نصیحت فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا: ''زیادہ ہنسنا چھوڑ دو، کیونکہ یہ عادت دل کو مردہ کر دیتی ہے، اور آدمی کے چہرے کا نور اس کی وجہ سے جاتا رہتا ہے''۔ میں نے عرض کیا کہ حضرتؐ! مجھے اور نصیحت فرمایئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''ہمیشہ حق اور سچی بات کہو، اگرچہ (لوگوں کے لیے) ناخوشگوار اور کڑوی ہو''۔ میں نے عرض کیا: مجھے اور نصیحت فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کرو''۔ میں نے عرض کیا کہ حضرتؐ! مجھے اور نصیحت فرمایئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''تم جو کچھ اپنے نفس اور اپنی ذات کے بارے میں جانتے ہو، چاہیے کہ وہ تم کو باز رکھے دوسروں کے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے۔''

اس حدیث میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے نصیحت طلب کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں پہلی نصیحت یہ کی کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ دین اسلام کی معروف اصطلاح ہے۔ قرآن مجید میں اس کا تذکرہ بار بار آیا ہے۔ تقویٰ کا لغوی مفہوم ''بچنا'' ہے۔ اصطلاح میں اس کا معنی ''پرہیزگاری'' کیا جاتا ہے۔ متقی وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ کر زندگی گزارنے کی کوشش کرتا ہے۔ تقویٰ سے انسان کا ظاہر اور باطن آراستہ ہو جاتا ہے۔ اسوۂ حسنہ اعلیٰ درجہ کے تقویٰ کا مظہر ہے۔ یوں اسوۂ حسنہ کی پیروی انسان کو متقی بنا دیتی ہے۔ متقی شخص اللہ تعالیٰ کے اوامر کو ہرگز نہیں ٹالتا اور نہ ہی نواہی کے قریب پھٹکتا ہے۔ تقویٰ انسان کے تمام کاموں کو سنوارنے والا اور اس کے باطن کو روشن کرنے والا عمل ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے تلاوتِ قرآن مجید اور اللہ کے ذکر کی نصیحت فرمائی۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام اور نور ہے۔ یہ قلب و نظر کو روشن اور باطن کو منور کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ کا حکم ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو۔ خود قرآن مجید کو ''الذکر'' کہا گیا ہے۔ ازروئے الفاظِ قرآنی: {اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۹﴾} (الحجر) ''بیشک ہم نے ہی الذکر (قرآن مجید) نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' تلاوتِ قرآن

اور ذکر الٰہی کے فضائل بے شمار ہیں۔ ایک حدیث نبویؐ میں ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کو اِس دنیا میں یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مجلس میں اس کا ذکر کرتے ہیں ۔یہی مطلب ہے

نبی اکرم ﷺ کی اس نصیحت کا کہ اس کے بدلے میں تمہارا ذکر آسمان میں ہو گا اور زمین میں یہ تمہارے لیے نور ہو گا۔ اللہ کا ذکر نوری مخلوق کا ہمہ وقتی وظیفہ ہے۔ سبحان اللہ‘ الحمد للہ‘ لا الٰہ الاّ اللہ اور اللہ اکبر ذکر کے معروف کلمات ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے مزید دریافت کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں اکثر خاموش رہنے کی نصیحت کی اور فرمایا کہ یہ وہ ہتھیار ہے جس سے شیطان دُور ہو سکتا ہے اور دین کے بارے میں اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔ انسان کے اکثر گناہ زبان سے ہی سرزد ہوتے ہیں۔ اگر وہ زبان کے استعمال میں احتیاط کرلے تو غیبت‘ جھوٹ‘ بدزبانی اور تمسخر جیسی برائیوں سے بچ سکتا ہے۔ ایک حدیث نبویؐ میں فرمایا گیا ہے کہ آدمیوں کو اُن کی زبانوں کی کھیتیاں ہی مُنہ کے بل جہنم میں گرائیں گی۔ زیادہ خاموش رہنے والا اور کم بولنے والا شیطان کے بہت سے حملوں سے محفوظ رہ جاتا ہے۔ دانائوں کا کہنا ہے کہ پہلے تولو پھر بولو ‘یعنی فضول گوئی سے بچ کر رہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْ لِیَصْمُتْ))(متفق علیہ)

’’جو شخص اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ یا تو اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔‘‘

ضروری دُنیوی باتوں کے علاوہ زبان کا بہترین استعمال اللہ کا ذکر ہے جس کی فضیلت اوپر بیان ہو چکی ہے۔ پھر یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ انسان مفید کام کو چھوڑ کر فضول کام کرے؟ زبان کے استعمال کا معاملہ بہت نازک ہے۔ اس میں جتنی بھی ہو سکے احتیاط کرنی چاہیے‘ کیونکہ زبان سے اچھا برا جو بھی لفظ نکلتا ہے کراماً کاتبین اُسے ریکارڈ کرتے جا رہے ہیں۔ اس طرح سے ہمارا نامۂ اعمال تیار ہو رہا ہے‘ اگر اچھا ہو گا تو قیامت کے روز دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور اگر برا ہو گا تو بائیں ہاتھ میں تھمایا جائے گا۔ پھر اسی کے مطابق جزا و سزا ہو گی۔

جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے مزید پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’زیادہ ہنسنے سے بچو‘ کیونکہ اس سے دل مردہ اور چہرہ بے نور ہو جاتا ہے‘‘۔ خوشی اور غمی دنیا کی زندگی کا لازمی حصہ ہیں‘ لہٰذا جس طرح صدمے کی صورت میں جزع فزع کرنے اور شرعی حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ‘اسی طرح خوشی کے موقع پر بھی آپے سے باہر ہونا پسندیدہ نہیں۔ کھل کھلا کر ہنسنا

غفلت کی علامت ہے جس سے دل مردہ ہو جاتا ہے ‘یعنی احساس زیاں جاتا رہتا ہے۔ اس کے اثرات چہرے کی رونق ختم کر دیتے ہیں۔ موت کی گھڑی کا کوئی پتا نہیں۔ جس شخص کو اپنی موت یاد ہو اور پھر اسے آخرت کے حساب و کتاب پر بھی یقین ہو تو وہ کیسے کھل کھلا کر ہنس سکتا ہے ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ! اگر تمہیں وہ سب کچھ معلوم ہو جائے جو مجھے معلوم ہے تو تمہارا ہنسنا بہت کم ہو جائے اور رونا بہت بڑھ جائے۔‘‘ دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے۔ اگر اس کے اعمال اچھے ہوئے تو وہ اس قید خانے سے نکل کر جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہو گا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت عاقبت کی نجات کے لیے فکر مند رہے اور غفلت کی ہنسی نہ ہنستا پھرے۔

حضرت ابوذرؓ نے مزید پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمیشہ سچی بات کہو اگرچہ کڑوی لگے۔ سچائی فضائلِ اعمال میں سے ہے ‘جبکہ جھوٹ کبیرہ گناہ ہے۔ سچائی اگر وقتی طور پر رنج اور تکلیف کا باعث بھی ہو تو اس کا نتیجہ بہرحال اچھا ہو گا۔ حدیث نبویؐ کے الفاظ ہیں:

((اَلصِّدْقُ یُنْجِیْ وَالْکَذِبُ یُھْلِکُ)) ’’سچائی نجات دیتی ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔‘‘ ہلاکت سے بچنا اور عافیت چاہنا ہر صاحب ایمان شخص کے لیے لازم ہے۔ حق بات کو باطل کے ساتھ گڈمڈ کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ گواہی حقیقت کے مطابق ہو۔ ظاہر ہے گواہی جس کے خلاف جائے گی اس کو بات کڑوی لگے گی اور وہ ناراض ہو گا ‘مگر اُس کی ناراضی ملحوظ رکھتے ہوئے حق بات کو خلافِ واقعہ بیان کرنا بڑے گناہ کی بات ہے۔

جب حضرت ابوذرؓ نے مزید پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کے احکام و حِکَم بیان کرنے پر اگر کسی جانب سے تضحیک آمیز اعتراضات آئیں تو معذرت خواہانہ انداز اختیار نہ کیا جائے‘ بلکہ صحیح بات ڈنکے کی چوٹ کہی جائے۔

حضرت ابوذرؓ کے پوچھنے پر جو آخری بات رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ دوسروں کے عیبوں پر نگاہ کرنے سے پہلے اپنی خامیوں کو بھی دیکھ لینا چاہیے ۔ اس حکیمانہ نصیحت پر عمل کرنے سے انسان دوسروں پر اعتراض کرنے سے پہلے سوچے گا کہ جو خامیاں مجھے فلاں شخص میں نظر آ رہی ہیں وہ تو خود میرے اعمال و افعال میں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ

دوسروں پر اعتراض کرنے سے پہلے اسے اپنی اصلاح کی فکر ہو جائے گی۔ اس طرح دو فائدے ہوں گے۔ ایک تو بندہ دوسروں پر تنقید سے باز رہے گا اور دوسرے اپنی خامیاں دور کرنے کی کوشش کرے گا۔ دوسروں پر تنقید میں وہی شخص بے باک ہو سکتا ہے جسے اپنی فکر نہ ہو۔

اس حدیث میں ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک کے بعد دوسری نصیحت

لی فرمائش کیے جا رہے ہیں۔ یہ انداز اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ وہ رسول' اللہ ﷺ کے ساتھ دیر تک ہم کلام رہنے کی کوشش کر رہے تھے اور زیادہ سے زیادہ ہدایاتِ نبویؐ سے مستفید ہونا چاہتے تھے۔ اس طرح کے واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کس قدر والہانہ محبت اور قلبی عقیدت تھی۔

(18) محض اللہ کے لیے محبت

عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : ((اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ لَاُنَاسًا مَاہُمْ بِاَنْبِیَائَ وَلَا شُہَدَائَ ' یَغْبِطُہُمُ الْاَنْبِیَائُ وَالشُّہَدَائُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِمَکَانِہِمْ مِنَ اللّٰہِ)) قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ تُخْبِرُنَا مَنْ ہُمْ؟ قَالَ : ((ہُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰہِ عَلٰی غَیْرِ اَرْحَامٍ بَیْنَہُمْ وَاَمْوَالٍ یَتَعَاطَوْنَہَا' فَوَ اللّٰہِ اِنَّ وُجُوْہَہُمْ لَنُوْرٌ وَاِنَّہُمْ لَعَلٰی نُوْرٍ' لَا یَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا یَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ)) وَقَرَئَ ہٰذِہِ الْآیَۃَ: {اَلَا اِنَّ اَوْلِیَآئَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ} (رواہ ابوداؤد)حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے بندوں میں کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں جو نبی یا شہید تو نہیں ہیں' لیکن قیامت کے دن بہت سے انبیاء اور شہداء اللہ تعالیٰ سے ان کے خاص مقامِ قرب کی وجہ سے اُن پر رشک کریں گے''۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں بتلا دیجیے کہ وہ کون بندے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''وہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے بغیر کسی رشتہ اور قرابت کے' اور بغیر کسی

مالی لین دین کے صرف روحِ خداوندی کی وجہ سے باہم محبت کی۔ پس قسم ہے اللہ تعالیٰ کی' ان کے چہرے قیامت کے دن نورانی ہوں گے (بلکہ سراسر نور ہوں گے) اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے' اور عام انسانوں کو جس وقت خوف و ہراس ہو گا اس وقت وہ بے خوف اور مطمئن ہوں گے'۔ اور جس وقت عام انسان بتلائے غم ہوں گے وہ اس وقت بے غم ہوں گے۔ ''اور اس موقع پر آپؐ نے یہ آیت پڑھی: {اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَ لَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ }''معلوم ہونا چاہیے کہ جو اللہ کے دوست (اور اس سے خاص تعلق رکھنے والے) ہیں' ان کو خوف و غم نہ ہو گا۔''

والدین کو اولاد سے الفت ہوتی ہے اور اولاد کو ماں باپ کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔ بھائی بہن بھی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اسی طرح رشتہ داروں کے درمیان محبت کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ یہ

فطری محبت ہے جو انسان کی سرشت میں رکھ دی گئی ہے۔ یہ وہ جبلی محبت ہے جو انسانوں کے علاوہ تمام جانداروں، چرندوں، پرندوں اور درندوں کے درمیان بھی موجود ہے۔ ہر جانور اپنے بچوں سے محبت رکھتا ہے اور بچوں کو بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔ یہ محبت جاندار مخلوق کی زندگی کے لیے ناگزیر ضرورت ہے اور ایک جبلی تقاضا ہے۔

ایک محبت وہ ہے جو کسی کے حسن سلوک، ہمدردی، خیر خواہی اور احسان کے نتیجے میں پیدا ہوجاتی ہے۔ ایک شخص کسی کو خطرے سے نکالتا ہے یا مشکل میں اس کی مدد کرتا ہے یا اس کی کوئی مالی ضرورت پوری کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں اس محسن کے ساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہ محبت ایسی ہے جو نیکوں اور بُروں، فاسقوں، فاجروں، مشرکوں اور کافروں کے درمیان بھی پیدا ہو جاتی ہے ،یعنی کسی کا حسن سلوک دوسرے شخص کے اندر محبت بھرے جذبات کے ظہور کا سبب بن جاتا ہے ۔ لیکن ایک محبت وہ ہے جس کا باعث نہ تو رشتہ داری کا تعلق ہے اور نہ ہی وہ کسی مالی مدد یا احسان کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ وہ محبت ہے جو محض اللہ کے دین سے تعلق سے پیدا ہوتی ہے۔ اس محبت میں کسی کا احسان کارفرما نہیں ہوتا، بلکہ یہ تو کسی شخص کی نیک نفسی، زہد و ورع، خدا ترسی اور للّٰہیت سے متاثر ہو کر ظاہر ہوتی ہے۔ یہ پورے طور پر خلوص پر مبنی ہوتی ہے۔ ایسی محبت جو محض اللہ کی خاطر ہو ،بڑی قابل قدر اور قیمتی شے ہے۔ ویسے تو ہر وہ عمل جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے کیا جائے، ربّ العالمین کی خوشنودی کا باعث اور بارگاہِ خداوندی میں شرفِ قبولیت سے سرفراز ہوتا ہے۔ مسند احمد کی ایک روایت میں، جس کے راوی حضرت

ابوامامہ رضی اللہ عنہ ہیں، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جس بندے نے بھی اللہ کے لیے کسی بندے سے محبت کی اُس نے اپنے ربّ تعالیٰ ہی کی عظمت و توقیر کی۔ یہ اس لیے کہ جس شخص کو معرفتِ حق حاصل ہوگی، یعنی اس کے دل پر اللہ تعالیٰ کی عظمت نقش ہو چکی ہو گی وہی شخص اس مقام پر پہنچ سکے گا جہاں وہ اللہ کے پیاروں کے ساتھ محبت کے جذبات سے سرشار ہو گا اور اس کا مطمح نظر محض اللہ کی رضا جوئی ہو گا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندوں کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ کے لیے ہو اور وہ بغض و عداوت ہے جو اللہ کے لیے ہو''۔ (سنن ابی دائود)

قرآن مجید میں ہے کہ ایمان والوں کو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے ہے ،اسی لیے جو لوگ محض اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں خالق کائنات بھی اُن سے محبت کرتا ہے ۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری

محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہے جو باہم میری وجہ سے محبت کریں اور میری وجہ اور میرے تعلق سے کہیں جڑ کر بیٹھیں اور میری وجہ سے باہم ملاقات کریں اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کریں ۔ (موطا امام مالکؒ) ۔یہ اتنی بڑی بشارت ہے کہ جس بندے کو یہ مل جائے وہ اپنے مقدر پر جتنی بھی خوشی منائے کم ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ توسب سے سچا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی زیرِ درس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اُن بندوں پر روزِ قیامت انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے جو آپس میں محض اللہ کی خاطر محبت کرتے ہوں گے' نہ ان کے درمیان رشتے ناتے کا تعلق ہو گا اور نہ ہی کوئی مالی لین دین کا معاملہ ہو گا۔ یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ حدیث کے الفاظ کا یہ مطلب نہیں کہ ان متحابین کا مقام جنت میں انبیاء و شہداء سے افضل ہو جائے گا 'بلکہ ان لوگوں کو اتنا اونچا مقام ملے گا کہ انبیاء وشہداء بھی تعجب کریں گے کہ یہ لوگ اس قدر بلند درجے تک پہنچ گئے ہیں !

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ کہاں ہیں میرے وہ بندے جو میری عظمت و

جلال کی وجہ سے آپس میں الفت و محبت رکھتے تھے؟ آج جبکہ میرے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہے' میں اپنے ان بندوں کو اپنے عرش کے نیچے سایہ دوں گا۔''

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جن سات خوش نصیبوں کو قیامت کے دن عرش کا سایہ دینے کا وعدہ کیا ہے اُن میں ایک وہ بھی ہیں جو آپس میں اللہ کے لیے محبت کا تعلق رکھتے ہوں۔ قیامت کا دن وہ دن ہو گا جس دن سورج کی حرارت شدید ترین ہو گی اور دھوپ کی گرمی سے بچنے کے لیے کہیں کوئی سایہ نہ ہو گا اور ہر شخص پر انتہا درجے کا خوف طاری ہو گا۔ ان حالات میں متحابین کی کیفیت یہ ہو گی کہ ان کے چہرے منور ہوں گے' وہ نورانی منبروں پر بیٹھے ہوں گے 'خوشگوار سائے سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے اور اُن پر کسی طرح کا کوئی غم اور حزن طاری نہ ہو گا۔ گویا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میںقرآن مجید میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ: {اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَ لَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾} (یونس) ''یاد رہے کہ جو اللہ کے دوست (اور اس سے خاص تعلق رکھنے والے) ہیں ان کو نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔''

اللہ تعالیٰ کو اپنے فرمانبردار' عبادت گزار اور بلند کردار لوگوں سے محبت ہے۔ پس جو لوگ ان قدسی صفات مردانِ حق کے ساتھ محبت رکھتے ہیں وہ اللہ کے محبوب بن جاتے ہیں' کیونکہ دوست کا دوست بھی دوست ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

'' ایک شخص اپنے ایک بھائی سے جو ایک دوسری بستی میں رہتا تھا ملاقات کے لیے چلا 'تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ

گزر پر ایک فرشتے کو منتظر بنا کر بٹھا دیا۔ (جب وہ شخص اس مقام سے گزرا' تو) فرشتے نے اُس سے پوچھا: تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟ اُس نے کہا: میں اس بستی میں رہنے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے کہا: کیا اس پر تمہارا کوئی احسان ہے' اور کوئی حقِ نعمت ہے جس کو تم پورا اور پختہ کرنے کے لیے جا رہے ہو؟ اُس بندے نے کہا: نہیں! میرے جانے کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کے لیے مجھے اس بھائی سے محبت ہے (یعنی بس اسی للّٰہی محبت کے تعلق اور تقاضے سے میں اس کی زیارت اور ملاقات کے لیے جا رہا ہوں) فرشتے نے کہا کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس یہ بتانے کے لیے بھیجا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرتا ہے' جیسا کہ تم اللہ کے لیے اس کے اس بندے سے محبت

کرتے ہو۔'' (صحیح مسلم)

علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا!

جو شخص محض اللہ کی خاطر محبت کے جذبات لے کر اپنے مسلمان بھائی کو ملنے جا رہا تھا اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعے اس کو اپنی محبت کی خوشخبری سنائی۔

یہاں یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ اللہ کے ساتھ محبت کے زبانی دعووں کی کوئی حیثیت نہیں' محبت وہ ہے جس کے نتیجے میں اطاعت پیدا ہو۔ خدا کا محبوب بننے کے لیے اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت پر پورے ذوق و شوق کے ساتھ عمل کرنا ہی رضائے الٰہی کے مقام پر فائز ہونا ہے۔

(19) اُسوۂ حسنہ کی اہمیت

عَنْ اَنَسٍ قَالَ: جَاءَ ثَلَاثَۃُ رَھْطٍ اِلٰی بُیُوْتِ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ یَسْاَلُوْنَ عَنْ عِبَادَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا کَاَنَّھُمْ تَقَالُّوْھَا فَقَالُوْا: وَاَیْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ قَدْ غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَا تَاَخَّرَ' قَالَ اَحَدُھُمْ: اَنَا اَنَا فَاِنِّیْ اُصَلِّی اللَّیْلَ اَبَدًا' وَقَالَ آخَرُ: اَنَا اَصُوْمُ الدَّھْرَ وَلَا اُفْطِرُ' وَقَالَ آخَرُ: اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا' فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اِلَیْھِمْ فَقَالَ:

((اَنْتُمُ الَّذِیْنَ قُلْتُمْ کَذَا وَکَذَا؟ اَمَا وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَخْشَاکُمْ لِلّٰہِ وَاَتْقَاکُمْ لَہٗ لٰکِنِّیْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَائَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ))(صحیح البخاری،کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح)

’’حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے) تین آدمی رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہما کے گھروں میں تشریف لائے اور آپ کی عبادت کے بارے میں دریافت کرنے لگے (یعنی انہوں نے دریافت کیا کہ نماز روزہ وغیرہ عبادات کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا معمول کیا ہے؟) جب ان کو وہ بتلایا گیا تو (محسوس ہوا کہ) گویا انہوں نے اس کو بہت کم سمجھا اور آپس میں کہا کہ ہم کو رسول پاک ﷺ سے کیا نسبت ! ان کے تو اگلے پچھلے سارے قصور معاف فرما دیے گئے ہیں(اور قرآن میں اس کی خبر بھی دے دی گئی ہے، لہٰذا آپؐ، کو زیادہ عبادت و ریاضت کی ضرورت ہی نہیں، ہاں ہم گنہگاروں کو ضرورت ہے کہ جہاں تک بن پڑے زیادہ سے زیادہ عبادت کریں)۔ چنانچہ اُن میں سے ایک نے کہا کہ اب یقینا میں تو ہمیشہ پوری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں تو ہمیشہ بلاناغہ روزہ رکھا کروں گا۔تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے کنارہ کش ہی رہونگا، نکاح کبھی نہیں کروں گا۔ (رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی) تو آپ ان تینوں صحابہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ’’تم ہی لوگوں نے یہ باتیں کہی ہیں؟ (اور اپنے بارے میں ایسے ایسے فیصلے کیے ہیں) سن لو ! اللہ کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کی نافرمانی اور ناراضی کی باتوں سے تم سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہوں، لیکن (اس کے باوجود) میرا حال یہ ہے کہ میں (ہمیشہ روزے نہیں رکھتا بلکہ) روزے سے بھی رہتا ہوں ،اور بلاروزے کے بھی رہتا ہوں، اور (ساری رات نماز نہیں پڑھتا بلکہ) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور (میں نے تجرد کی زندگی اختیار نہیں کی ہے، بلکہ) میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور ان کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا ہوں۔ (یہ میرا طریقہ ہے) اب جو کوئی میرے اس طریقہ سے ہٹ کر چلے وہ میرا نہیں ہے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ کی ہستی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے محبوب ترین تھی۔ اسوۂ حسنہ کو اپنانا اُن کی چاہت تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی بیرون خانہ عبادت کے متعلق تو کسی سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہ تھی، کیونکہ وہ تو سب کے سامنے تھی ،البتہ آپؐ کی درونِ خانہ عبادت عام لوگوں کے سامنے نہ تھی لہٰذا صحابہ میں سے ان تین افراد کو شوق ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی نفلی عبادات کا حال

دریافت کریں۔ چنانچہ وہ ازواجِ مطہرات سے آپؐ کی عبادات کا حال پوچھنے گئے۔جب ان کو رسول اللہ ﷺ کی عبادات کے متعلق بتایا گیا تو انہیں تعجب ہوا اور انہوں نے اسے کم سمجھا ،مگر خود ہی اپنے ذہن میں ازراہِ عقیدت یہ تصور کر لیا کہ آپؐ تو اللہ کے رسول ہیں۔ آپ کی اگلی پچھلی خطاؤں کی معافی کا اعلان قرآن مجید میں آچکا۔ جنت میں

آپؐ کے درجاتِ عالیہ کا فیصلہ تو پہلے ہی ہو چکا ہے۔ آپؐ کو زیادہ عبادت کی حاجت نہیں ،مگر ہمارا معاملہ دوسرا ہے ،ہمیں تو کثرت کے ساتھ عبادات کرنی چاہئیں۔ چنانچہ انہوں نے وہ فیصلے کیے جو حدیث میں مذکور ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کو صورت ِحال سے آگاہی ہوئی تو آپؐ نے ان کی اصلاح ضروری سمجھی اور خود اُن کے پاس تشریف لے گئے۔ آپؐ ہادی و راہنما اور معلم تھے ۔ اُن تینوں صحابہ کرامؓ کو اپنے پاس بلا بھی سکتے تھے مگر آپؐ خود اُن کے پاس گئے۔ اس میں اُمت کے علماء کے لیے اُسوۂ حسنہ چھوڑا کہ اگر ضرورت محسوس ہو تو کسی کی اصلاح کے لیے چل کر جانا کوئی معیوب بات نہیں ،بلکہ رسول اللہ ﷺ کا عمل ہونے کی وجہ سے باعث اجر و فضیلت ہے۔ آپؐ نے پہلے ان سے دریافت کیا کہ کیا تم نے یہ بات کہی ہے؟ جب انہوں نے اقرار کیا تو پھر آپؐ نے اپنی مثال پیش کرتے ہوئے اُن کی غلط فہمی دور کی اور فرمایا کہ مجھے تم سب سے زیادہ اللہ کا خوف اور آخرت کی فکر ہے۔ مگر اس کے باوجود میں روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں ،رات کو اٹھ کر نوافل بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں ، اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کیے ہیں ، یعنی ازدواجی زندگی کے حقوق بھی پورے کر رہا ہوں۔ میرا طریقہ تو یہ ہے ! پس جس شخص نے میرے طریقے سے منہ موڑا وہ میرا نہیں۔گویا آپؐ نے ساری رات نماز پڑھنے کو ،لگاتار روزے رکھنے کو اور شادی بیاہ کے بغیر رہنے کو پسند نہیں کیا اور آخر میں اس کی وجہ بھی بتا دی کہ تمام انسانوں کے لیے مثالی اور نمونہ کی زندگی رسول اللہ ﷺ کی ہے ، اور جس نے اس کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھنے کی کوشش کی وہ سنت نبوی سے دُور جا پڑا۔

یہ حدیث دراصل قرآن مجید کی آیت {لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِيۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ}کی تشریح اور تفسیر ہے۔ نیز سورۃ الحجرات کی پہلی آیت {یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱﴾ }کے مطلب کو بھی واضح کرتی ہے کہ سیدھا راستہ بس وہی ہے جس پر رسول اللہ ﷺ چلتے رہے۔ باقی اُمت کے

چھوٹے بڑے تمام افراد کے لیے آپ کی راہ ہی کی پیروی کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ آپؐ کا عمل عین اسلام ہے جو اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔

اسلام اعتدال کی راہ دکھاتا ہے۔ جہاں قدم اعتدال سے ہٹ گیا وہاں صراطِ مستقیم سے انحراف ہوا۔ نماز ، روزہ چھوڑ دینا اور خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے لگ جانا بے دینی ہے ، مگر عبادات میں حد سے زیادہ مشغولیت اور ازدواجی زندگی سے فرار بھی پسندیدہ نہیں۔ دونوں صورتوں میں قدم جادۂ اعتدال سے ہٹ جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی جو انتہائی مثالی زندگی ہے اُس میں سراسر اعتدال ہے۔ آپؐ رات کو جاگ کر نوافل بھی پڑھتے تھے ، تلاوت بھی کرتے تھے اور آرام کرنے کے لیے لیٹتے بھی تھے۔ آپؐ نے شادیاں کیں ، آپؐ کے بچے ہوئے ،

آپؐ نے بیوی بچوں کے حقوق ادا کیے۔ یوں آپؐ نے بھرپور زندگی بسر کی مگر ہر حال میں اپنے خالق و مالک کو یاد رکھا اور یہی دین اسلام کا تقاضا ہے۔ نفس کشی اور رہبانیت اسلام کے خلاف ہے۔ اپنے آپ کو خواہ مخواہ کی مشقت اور تکلیف میں ڈالنا ہرگز ایمان کا تقاضا نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہر شخص کے لیے نمونہ تھی۔ لوگوں پر آپؐ کی پیروی کرنا لازم تھا۔ اگر آپؐ کی زندگی حد سے زیادہ پر مشقت ہوتی تو لوگوں کے لیے اُس کے مطابق عمل کرنا دشوار بلکہ ناممکن ہو جاتا۔یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی زندگی ہمہ وقت درمیانی چال پر تھی۔ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عبادات میں غلو کرنا چاہا تو آپؐ نے اس سے روک دیا۔

اس حدیث سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ دین کی ان باتوں پر عمل کریں جن کی رسول اللہ ﷺ نے تلقین کی ہے۔ ہر عمل کو وہی اہمیت دیں جو رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ فرض کو فرض جانیں، سنت کو سنت سمجھیں، نفلی عبادات کو نفل کے درجے میں رکھیں۔ انتہائی خلوص کے ساتھ کیا ہوا اضافہ بھی بدعت قرار پائے گا، کیونکہ دین کا ہر کام رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق ہونا چاہیے۔ جہاں آپؐ کے طریقے کے خلاف ہوا وہاں وہ عمل صفر ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ)) (صحیح البخاری) ''نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔'' گویا نماز وہی درست ہے جو آپؐ کے طریقے کے مطابق پڑھی جائے۔

الغرض رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی دوسری ہستی اُسوۂ حسنہ نہیں ہے۔ اُمت کے تمام

اتقیاء و اولیاء و صلحاء سب آپؐ کے اُسوۂ حسنہ کی پابندی کرتے رہے۔ اگر کسی بزرگ سے کوئی خلافِ سنت عمل منسوب کیا گیا ہے تو اس کی دو ہی صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ اُس بزرگ پر یہ الزام لگایا گیا ہے۔ دوسری یہ کہ اُس شخص کو خواہ مخواہ بزرگ مان لیا گیا ہے۔ تیسری بات کوئی ہو ہی نہیں سکتی، کیونکہ کسی چھوٹے بڑے اُمتی کو رسول اللہ ﷺ کی سنت سے اعراض کرنے کی اجازت نہیں، جیسا کہ اس حدیث کے آخری الفاظ سے ظاہر ہے۔ دین میں لمبی چوڑی عبادات کو شامل کیا جا سکتا تھا مگر ایسا نہیں کیا گیا، کیونکہ حکمت کا تقاضا تھا کہ دین آسان اور قابل عمل رہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول آسانی چاہتے ہیں۔ہمیں بھی چاہیے کہ بدعات سے اعراض کرتے ہوئے سنت نبویؐ کو ہی مشعل راہ بنائیں اور کسی بھی دوسری چیز کو زیادہ اہمیت نہ دیں۔

(20)رسول اللہ ﷺ کی روحانی قوت

عَنْ رُکَانَۃَ بْنِ عَبْدِ یَزِیْدَ وَکَانَ مِنْ اَشَدِّ النَّاسِ قَالَ: کُنْتُ اَنَا وَالنَّبِیُّ ﷺ فِیْ غُنَیْمَۃٍ لِاَبِیْ طَالِبٍ نَرْعَاھَا فِیْ اَوَّلِ مَا رَاَیْ اِذْ قَالَ لِیْ ذَاتَ یَوْمٍ: ((ھَلْ لَکَ اَنْ تُصَارِعَنِیْ؟)) قُلْتُ لَہٗ اَنْتَ؟ قَالَ: ((اَنَا)) فَقُلْتُ عَلٰی مَاذَا؟ قَالَ: ((عَلٰی شَاۃٍ مِنَ الْغَنَمِ)) فَصَارَعْتُہٗ فَصَرَعَنِیْ فَاَخَذَ مِنِّیْ شَاۃً ثُمَّ قَالَ لِیْ: ((ھَلْ لَکَ فِی الثَّانِیَۃِ؟)) قُلْتُ نَعَمْ فَصَارَعْتُہٗ فَصَرَعَنِیْ فَاَخَذَ مِنِّیْ شَاۃً فَجَعَلْتُ اَلْتَفِتُ ھَلْ یَرَانِیْ اِنْسَانٌ فَقَالَ: ((مَا لَکَ؟)) قُلْتُ لَا یَرَانِیْ بَعْضُ الرُّعَاۃِ فَیَجْتَرِیُٔ وْنَ عَلَیَّ وَاَنَا مِنْ اَشَدِّھِمْ قَالَ: ((ھَلْ لَکَ فِی الصِّرَاعِ الثَّالِثَۃِ؟ وَلَکَ شَاۃٌ)) قُلْتُ نَعَمْ فَصَارَعْتُہٗ فَصَرَعَنِیْ وَاَخَذَ مِنِّیْ شَاۃً فَقَعَدْتُ کَئِیْبًا حَزِیْنًا فَقَالَ: ((مَالَکَ؟)) قُلْتُ اِنِّیْ اَرْجِعُ اِلٰی عَبْدِ یَزِیْدَ وَقَدْ اَعْطَیْتُ ثَلَاثًا مِنْ غَنَمِہٖ وَالثَّانِیَۃُ اَنِّیْ کُنْتُ اَظُنُّ اَنِّیْ اَشَدُّ قُرَیْشٍ فَقَالَ:((ھَلْ لَکَ فِی الرَّابِعَۃِ؟)) فَقُلْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ؟ فَقَالَ: ((اَنَا

قَوْلُکَ فِی الْغَنَمِ فَاِنِّیْ اَرُدُّھَا عَلَیْکَ)) فَرَدَّ عَلَیَّ فَلَمْ یَلْبَثْ اَنْ ظَھَرَ اَمْرُہٗ فَاَتَیْتُہٗ فَاَسْلَمْتُ فَکَانَ مِمَّا ھَدَانِیَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اَنِّیْ عَلِمْتُ اَنَّہٗ لَمْ یُصْرِعْنِیْ یَوْمَئِذٍ بِقُوَّتِہٖ وَلَمْ یُصْرِعْنِیْ یَوْمَئِذٍ اِلَّا بِقُوَّۃٍ غَیْرِہٖ(رواہ البیھقی)

’’رُکانہ بن عبدیزید سے روایت ہے‘ اور یہ لوگوں میں سب سے قوی مشہور تھے‘ کہ میں اور آنحضرت ﷺ ابوطالب کی چند بکریوں کو چرا رہے تھے۔ یہ بات آپؐ کی نبوت کے شروع شروع کی ہے ۔ ایک دن آپؐ نے مجھ سے فرمایا: ’’کیا مجھ سے کشتی لڑتے ہو؟‘‘ میں نے کہا اچھا کیا آپؐ سے؟ آپؐ نے فرمایا: ’’جی ہاں مجھ سے‘‘۔ میں بولا اچھا کیا دو گے؟ آپؐ نے فرمایا: ’’جو جیتے اس کی ایک بکری‘‘۔ میں نے آپؐ سے کشتی کی ۔ آپؐ نے مجھے زیر کر دیا اور مجھ سے ایک بکری لے لی۔ پھر مجھ سے فرمایا: ’’کیا دوبارہ پھر کشتی لڑو گے؟‘‘۔ میں بولا بہت اچھا۔ میں نے پھر آپؐ سے کشتی کی۔ آپؐ نے پھر مجھ کو زیر کر دیا اور ایک بکری مجھ سے اور لے لی۔ اس مرتبہ میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہیں مجھ کو پچھڑتے ہوئے کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ آپؐ نے فرمایا: ’’کیا دیکھ رہے ہو؟‘‘ میں نے کہا یہ دیکھ رہا ہوں کہ مبادا مجھ کو کہیں کوئی اور بکریاں چرانے والا دیکھ رہا ہو اور میرے مقابلہ کی اس کو بھی ہمت ہو جائے‘ کیونکہ میں سب سے زور آور آدمی مشہور ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ’’اچھا تیسری بار پھر لڑتے ہو؟ اور جیتو گے تو ایک بکری ملے گی‘‘۔ میں بولا بہت اچھا۔ میں نے پھر کشتی کی اور آپؐ نے پھر مجھ کو زیر کر دیا اور مجھ سے ایک بکری لے لی۔ اب تو میں غمگین ہو کر بیٹھ گیا۔ آپؐ نے پوچھا: ’’غمگین کیوں ہو؟‘‘ میں نے کہا سب سے پہلے تو اس بات پر کہ جب میں عبدیزید کی بکریاں لے کر واپس ہوں گا تو ان میں تین بکریا بچو میں آپؐ کو دے چکا ہوں (وہ کم ہوں گی)۔ دوسری بات یہ ہے کہ مجھ کو یہ بڑا گھمنڈ تھا کہ قریش میں سب سے زیادہ مضبوط آدمی میں ہوں (مگر آج اس کے خلاف نکلا)۔ آپؐ نے فرمایا: ’’اچھا چوتھی بار پھر کشتی کرتے ہو؟‘‘ میں نے کہا کیا اب تین بار پٹ جانے کے بعد بھی؟ آپؐ نے فرمایا: ’’اچھا لو بکریوں کا معاملہ تو یہ ہے کہ میں تم کو سب واپس کیے دیتا ہوں۔‘‘ چنانچہ آپؐ نے وہ سب واپس کر دیں۔ پھر اس کے متصل ہی آپؐ کی نبوت کا شہرہ ہو گیا۔ اُس وقت میں آپؐ کی خدمت میں آیا اور مشرف باسلام ہو گیا۔

اور میرے اسلام کا باعث یہی بات تھی کہ میں یقین کر چکا تھا کہ آپ ؐ نے مجھ کو اپنی طاقت سے زیر نہیں کیا ‘بلکہ ضرور کسی اور دوسری (الٰہی) طاقت سے زیر کیا ہے۔‘‘

رُکانہ کے ساتھ کشتی لڑنے کا یہ واقعہ اوائل نبوت کا ہے۔اس میں ہمارے لیے بہت سی راہ نمائی موجود ہے۔ اوّل یہ کہ نبوت کے ابتدائی دَور میں آپؐ بدستور بکریاں چراتے تھے۔ اگرچہ اُم المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہاسے نکاح کو پندرہ سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا‘

بی بی صاحبہ دولت مند خاتون تھیں مگر آپؐ نے اُن کی دولت پر انحصار نہیں کیا‘ بلکہ اپنے ہاتھ سے روزی کمانے کو ترجیح دی اور اپنے چچا ابوطالب کی بکریاں چراتے رہے۔ یوں روزی کمانے کے معمولی سمجھے جانے والے کاموں کو آپؐ کے اسوۂ حسنہ سے عظمت ملی۔ آج کسی شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ محنت مزدوری کے کاموں کو حقارت کی نظر سے دیکھے۔ بلکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے تو بہترین روزی وہی ہے جو اپنے ہاتھوں سے کمائی جائے۔

رُکانہ قریش کا نامور پہلوان تھا۔ اس کے مقابلے کا طاقتور کوئی دوسرا نہ تھا۔ وہ بھی آپؐ کے ساتھ بکریاں چراتا تھا۔ حالات تو ایسے تھے کہ وہ آپؐ ‘کو چیلنج کرتا مگر کشتی لڑنے کی دعوت آپؐ نے اسے دی۔ اس پر اسے تعجب ہوا کہ مجھ جیسے پہلوان کو یہ چیلنج !چنانچہ وہ آمادہ ہو گیا اور کہا کہ کشتی جیتنے والے کو کیا ملے گا؟ اس پر آپؐ نے فرمایا : ’’بکریوں کے گلے میں سے ایک بکری۔‘‘ چنانچہ کشتی ہوئی توآپؐ نے اسے گرا دیا اور ایک بکری اُس سے لے لی۔ آپؐ نے پھر کہا کہ دوسری بار کشتی کرو گے؟ تو رُکانہ نے کہا ہاں۔ اب دوسری بار کشتی ہوئی تو پھر آپؐ نے اسے گرا دیا اور اُس سے ایک اور بکری لے لی۔ اب تو رُکانہ پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ کوئی دوسرا انسان اسے کشتی میں مات کھاتے ہوئے دیکھ تو نہیں رہا۔ آپؐ نے پوچھا تجھے کیا ہے کہ اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہے؟ رُکانہ نے کہا :یہ دیکھ رہا ہوں کہ چرواہوں میں سے کوئی مجھے دیکھ تو نہیں رہا کہ اُس کو بھی میرے مقابلے کی ہمت ہو جائے‘ کیونکہ میں تو آج تک سب سے زور آور آدمی مشہور ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تیسری بار کشتی کرو گے؟ اگر جیت گئے تو ایک بکری تمہاری۔ رُکانہ نے ہاں کر لی اور کشتی شروع ہو گئی۔ اب کے بھی آپؐ نے رُکانہ کو گرا دیا اور اُس سے ایک بکری لے لی۔ اب تو رُکانہ کا برا حال تھا۔ وہ دل شکستہ اور غمگین ہو کر بیٹھ گیا۔ یہ دیکھا تو آپؐ نے فرمایا :’’رُکانہ ! تجھے کیا ہے؟ ‘‘رُکانہ نے کہا :پہلی بات تو یہ ہے کہ تین بکریاں میں آپؐ ‘کو دے چکا ہوں‘جب واپس جائوں گا تو گلے کے مالک کو کیا جواب دوں گا؟ دوسرے یہ کہ میں تو اپنے کو قریش کا سب سے طاقتور شخص سمجھتا تھا مگر آج تو میں ایسا نہ رہا۔ آپؐ نے فرمایا: ’’اچھا چوتھی بار پھر کشتی کرتے ہو؟‘‘ رُکانہ نے کہا کہ کیا اب تین بار پٹ جانے کے بعد بھی؟

آپؐ نے فرمایا: ''اچھا سنو تینوں بکریاں میں تجھے واپس کیے دیتا ہوں۔'' آپؐ نے تینوں بکریاں اُس کو د ے کر اسے مطمئن کر دیا۔ اس واقعے کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا آپؐ کی نبوت کی شہرت ہو گئی۔ اس وقت رُکانہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کر لیا۔ حضرت رُکانہ کہتے ہیں کہ یہی واقعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سبب بنا کہ میں اسلام لے آیا کیونکہ مجھے یقین ہو چکا تھا کہ آپ ﷺ نے مجھے اپنی طاقت سے زیر نہیں کیا بلکہ ضرور کوئی دوسری طاقت مجھے مغلوب کرنے کا سبب بنی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ایک نامور پہلوان کو چیلنج کرنا ظاہر کرتا ہے کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی مدد پر پورا بھروسہ تھا کہ ضرور آپؐ کو کامیابی ہو گی جو رُکانہ کو حیرت میں ڈال دے گی اور رُکانہ جب سوچے گا تو پھر میری نبوت پر ایمان لے آئے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جیتنے پر بکریاں وصول کرنا بھی کسی مالی منافع کے لیے نہ تھا ورنہ آپؐ رکانہ کو بکریاں واپس نہ کرتے مگر آپؐ نے تو اُس کو پریشان دیکھ کر ہی بکریاں واپس کر دیں حالانکہ اس نے اس سلسلہ میں آپؐ سے کوئی التجا نہیں کی تھی۔ از خود بکریاں واپس کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ اس عمل سے کسی اچھے نتیجے کی توقع رکھتے تھے جو بالآخر رُکانہ کے اسلام لانے کی صورت میں سامنے آگیا۔ رُکانہ کو غمگین دیکھ کر آپؐ نے اس کی دلجوئی کی جس میں اُمت کے لیے ایک بہت اچھی مثال ہے۔

اگرچہ شرط لگانا اچھی بات نہیں مگر اوّل تو یہ نبوت کے ابتدائی دَور کا واقعہ ہے جب ابھی تفصیلی احکام نازل نہیں ہوئے تھے اور آپؐ تو اللہ کے حکم کے پابند تھے۔ دوسرے یہ شرط تو مثبت نتائج کے لیے تھی نہ کہ مال اکٹھا کرنے کے لیے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے رُکانہ کو بن مانگے اس کی بکریاں واپس کر دیں۔ پھر شرط تو رُکانہ نے لگائی تھی آپؐ نے صرف قبول کی۔ رُکانہ کو یقین تھا کہ وہ شرط جیت جائے گا اور اسے فائدہ حاصل ہوگا لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ اُس کا مقابلہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے۔

پس آپ ﷺ کا نامور پہلوان کو پچھاڑ دینا ایک معجزہ تھا اسی لیے رُکانہ کو اپنے ہارنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آئی اور اسے اقرار کرنا پڑا کہ اُس کی شکست مدّمقابل کی جسمانی قوت کے بل پر نہ تھی بلکہ یہ کوئی اور ہی طاقت تھی جس نے اُسے مغلوب کیا۔ چنانچہ جب اسلام کا شہرہ ہوا تو یہی گزرا ہوا واقعہ رُکانہ کی ہدایت کا سبب بن گیا اور اُس نے اسلام قبول کر لیا۔

(21)دولت مند کا خسارہ کیا ہے؟

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ انْتَهَیْتُ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ وَهُوَ جَالِسٌ فِیْ ظِلِّ الْکَعْبَةِ فَلَمَّا رَآنِیْ قَالَ : ((هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْکَعْبَةِ)) فَقُلْتُ : فِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ مَنْ هُمْ؟ قَالَ: ((هُمُ الْاَکْثَرُوْنَ اَمْوَالًا اِلاَّ مَنْ قَالَ هٰکَذَا وَهٰکَذَا وَهٰکَذَا مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ یَمِیْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ)) (متفق علیہ)

''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ اُس وقت کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا: ''ربِّ کعبہ کی قسم ! وہ لوگ سب سے زیادہ خسارے میں ہیں''۔ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ! کون لوگ ہیں جو بڑے خسارے میں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ لوگ جو بڑے دولت مند اور سرمایہ دار ہیں۔ ان میں سے وہی لوگ خسارے سے محفوظ ہیں جو اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں (ہر طرف خیر کے مصارف میں) اپنی دولت کشادہ دستی کے ساتھ صرف کرتے ہیں ‘مگر دولت مندوں اور سرمایہ داروں میں ایسے بندے بہت کم ہیں۔''مال و زر میں بڑی کشش ہے‘ کیونکہ اس کے ساتھ دنیا کی خوشحالی وابستہ ہے۔ مال دار آدمی دولت خرچ کر کے آرام و آسائش کی تمام چیزیں اکٹھی کر سکتا ہے۔ اچھے مکان میں جملہ سہولیات کے ساتھ باوقار زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اس کے کھانے کی میز پر طرح طرح کے خوش ذائقہ کھانے موجود ہوتے ہیں۔ وہ اعلیٰ درجہ کے ہوٹلوں میں جا کر مرغن اور مسالے دار غذائوں سے کام و دہن کی تسکین کر سکتا ہے ۔اسے ہر طرح کے موسمی پھل کھانے کو ملتے ہیں۔ دولت مند آدمی مال و دولت کے بل بوتے پر نوکر چاکر رکھ سکتا ہے جو اُس کے اشاروں پر کام کرتے اور اسے آسودگی فراہم کرتے ہیں۔مال و زر کی کثرت کی وجہ سے دوسرے لوگ اُس کا احترام کرتے ہیں۔ وہ اپنے بیوی بچوں کی ہر خواہش پوری کر سکتا ہے۔بیوی کے لیے زرق برق لباس اور قیمتی زیورات خرید سکتا ہے۔ بچوں کے لیے قیمتی کھلونے اور طرح طرح کی پسندیدہ

چیزیں فراہم کر سکتا ہے ۔وہ اپنے بچوں کو انگلش سکولوں میں تعلیم دلوا کر اُن کے شاندار مستقبل کا انتظام کر سکتا ہے ۔ دولت مند آدمی اپنے بچوں کی شادیوں پر بے دریغ روپیہ خرچ کر کے معاشرے میں اپنی بڑائی قائم کرتا اور اپنی اَنا کی تسکین کا سامان پیدا کر سکتا ہے۔

اس کے برعکس غریب آدمی سادہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتا ہے ۔وہ بمشکل اپنی بنیادی ضروریات ہی پوری کر پاتا ہے۔بیوی بچوں کے تقاضے پورے کرنا اُس کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔اُس کی زندگی مشقت سے پُر

ہوتی ہے ۔اسے روکھی سوکھی کھاکر گزارہ کرنا پڑتا ہے۔ اسے اچھا کھانا اور کپڑا میسر نہیں ہوتا۔یوں اس کی زندگی تلخ ہوتی ہے اور معاشرے میں اسے کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوتی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ نادار اور غریب اگر تنگی ترشی میں زندگی گزارتا ہے اور اس حال میں وہ صبر سے کام لیتے ہوئے صرف اللہ کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہے' اُس کے ذکر میں مشغول رہتا ہے تو اُس سے زیادہ کامیاب انسان کوئی دوسرا نہیں۔ ایسے شخص کا حساب قیامت کے دن آسان ہو گا۔ اس کے برعکس دولت مند آدمی دنیا میں دولت کے بل بوتے پر عیش وعشرت تو کرلے گا 'لیکن حساب کتاب کے وقت اُسے مشکل پیش آئے گی 'اس سے جواب دہی ہو گی کہ دولت کا ناجائز استعمال کیوں کیا؟ زیر بحث حدیثِ نبویؐ میں ایسے ہی دولت مندوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے قسم کھا کر کہا کہ وہ سب سے زیادہ گھاٹے میں ہیں۔

اگر دولت سلیقے کے ساتھ استعمال کی جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے ۔ مال و دولت فی نفسہٖ بری چیز نہیں ۔ روپے پیسے کو قرآن مجید میں فضل کہا گیا ہے اور یہ لفظ کسی طور پر بھی منفی مفہوم نہیں دیتا۔ جس طرح اللہ کی دی ہوئی دیگر نعمتوں مثلاً آنکھ 'کان' زبان وغیرہ کا استعمال مالک کی رضا کے مطابق کرنا چاہیے اسی طرح دولت کے خرچ کرنے میں بھی اللہ کے حکموں کی پابندی ضروری ہے۔ البتہ یہ بڑا مشکل کام ہے۔ اس میں بڑی استقامت ' صبر اور استقلال کی ضرورت ہے۔ اکثر دولت مند دولت کے خرچ میں میانہ روی اختیار نہیں کر سکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی لوگوں کو سب سے زیادہ خسارہ پانے والے کہا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ: ''وہ دولت مند اس خسارے سے محفوظ ہیں جو اپنی دولت کو فراخ دلی کے ساتھ خیر کے کاموں میں صرف کرتے ہیں'' ۔ ایسے لوگ نہ صرف خسارے سے بچے ہوئے ہیں 'بلکہ ان کے لیے بھلائیاں کمانے کے کثیر مواقع موجود

ہیں۔ یہ دولت مند اگر غریبوں کو کھانا کھلائیں' مریضوں کے علاج میں روپیہ خرچ کریں' یتیموں ' مسکینوں اور بیوائوں کی خبر گیری کریں ' حج اور عمرے کے لیے حرم شریف جاکر وہاں ایک ایک نماز کے بدلے ایک ایک لاکھ نمازوں کا ثواب پائیں' مال کو نام و نمود اور نمائش کے لیے خرچ نہ کریں' فضول خرچی سے بچتے رہیں' اپنی ضروریات کو گھٹاتے رہیں 'بیوی بچوں کے ناجائز تقاضوں کو پورا کرنے سے رُکے رہیں اور دولت مندی انہیں غرور اور تکبر میں مبتلا نہ کرے' تو ایسے ہی لوگوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ خسارے سے بچے ہوئے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ بہت کم تعداد میں ہیں۔ کیونکہ دولت کی فراوانی نفسانی خواہشات کو طول دیتی ہے۔ دولت مند آدمی اس دنیا کے آرام و خوش حالی میں اس قدر مدہوش ہو جاتا ہے کہ اسے بُرے بھلے کی تمیز نہیں رہتی۔ اس طرح وہ فکر آخرت سے بے پروا ہو کر محض دولت اکٹھی کرتا اور اسے فضولیات میں اڑاتا رہتا ہے۔ ایسے لوگ

موت کے وقت تمنا کریں گے کہ کاش انہیں کچھ مہلت مل جائے تو وہ (اچھے کاموں میں) دولت خرچ کر کے نیکوکاروں میں شامل ہو جائیں گے' مگر اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

{وَ لَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُہَا} (المنٰفقون:۱۱)

''اور اللہ تعالیٰ ہرگز ڈھیل نہیں دیتا (مزید مہلت نہیں دیتا) کسی شخص کو جب اُس کا وعدہ آجائے (مہلتِ عمل پوری ہو جائے)۔''

پس اس حدیث سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دولت بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کا استعمال بُرا بھی ہو سکتا ہے اور اچھا بھی۔ اس کا بُرا استعمال فضول خرچی' عیش و عشرت اور نمودو نمائش ہے اور اچھا استعمال خدا کی رضا کے لیے خرچ کرنا ہے۔ اگرچہ یہ کام مشکل ہے مگر جتنا مشکل ہے اتنا ہی زیادہ ثواب کا موجب اور حقیقی کامیابی و کامرانی اور نجات کا باعث ہے۔ دولت مند لوگوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ وہ اپنی دولت کو کہاں خرچ کررہے ہیںاور اس کا انجام کیا ہو گا' ابدی خسارہ یا لازوال راحت؟

(22)ماہِ رمضان کے فضائل

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِّحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّۃِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَھَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّیَاطِیْنُ)) وَفِیْ رِوَایَۃٍ : ((اَبْوَابُ الرَّحْمَۃِ)) (رواہ البخاری و مسلم)'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں' دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں (اور ایک روایت میں ہے: رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ حرم شریف کی زمین کو روئے ارضی کے ہر خطہ پر فضیلت حاصل ہے' ہفتے کے دنوں میں جمعہ کے دن کو دوسرے ایام پر فضیلت حاصل ہے' اسی طرح مہینوں میں ماہِ رمضان کو دیگر مہینوں پر خصوصی فضیلت حاصل ہے۔ اسی ماہِ مبارک میں قرآن مجید نازل ہوا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت اور راہ نمائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اس ماہ کی یہ منفرد خاصیت بتائی ہے کہ رمضان شروع ہوتے ہی جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں' جہنم کے دروازے بند کر

دیے جاتے ہیں اور شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔ یوں لوگوں کے لیے ماحول سازگار بنادیا جاتا ہے جس میں نیکیاں کمانا آسان ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس ماہِ مبارک میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور ایک فرض کا ثواب ستر گنا کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ دیکھنے میں آتا ہے کہ رمضان شریف میں مسجدوں کی رونق دوبالا ہو جاتی ہے اور لوگ جوق در جوق مسجدوں میں آنا شروع ہو جاتے ہیں ۔ یہ دوسری بات ہے کہ جو لوگ رمضان کے مہینے میں ہی مسجد میں آنا شروع کرتے ہیں یا تو وہ دورانِ رمضان ہی مسجد کے ساتھ تعلق توڑ بیٹھتے ہیں یا پھر رمضان کے بعد وہ مسجد میں آنا چھوڑ دیتے ہیں ‘اِلاّ ماشاء اللہ۔ اس کی وجہ صاف نظر آتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے سازگار ماحول مہیا کیا جاتا ہے تو لوگ اس سے فوری متاثر ہو کر نیکی کی طرف

راغب توہوتے ہیں ‘مگر اُن کی سالہا سال کی بداعمالی غالب آجاتی ہے اور انہیں اس سازگار ماحول سے بھی فائدہ اٹھانے کی توفیق میسر نہیں آتی ۔ رمضان اپنی سعادتوں‘ برکتوں اور رحمتوں کو سمیٹ کر رخصت ہو جاتا ہے اور بداعمال ویسے کے ویسے ہی رہ جاتے ہیں۔ بعض لوگوں نے تو اپنی طبیعت کو اس قدر مسخ کر لیا ہوتا ہے کہ رمضان کی یہ نورانی ساعتیں اُن کے کردار و عمل پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں کرتیں ۔ایسے لوگ رمضان میں بھی چوریاں کرتے ‘ ڈاکے ڈالتے ‘ دھوکہ دیتے‘ لوٹ مار اور قتل و غارت کرتے رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی لعنت کے مستحق ہیں کہ انہیں رمضان شریف کا احترام بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اللہ کی پناہ ! کہ یہ بہت بڑی بدبختی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک جب اللہ کے نیک اور صالح بندے رمضان کے دوران حسنات و طاعات میں منہمک ہو جاتے ہیں ‘ وہ دن کو روزہ رکھ کر زیادہ وقت ذکر و اذکار اور تلاوت کلام پاک میں گزارتے ہیں اور راتوں کا بڑا حصہ تراویح و تہجد‘ تلاوتِ قرآن‘ دعاء و استغفار میں بسر کرتے ہیں تو ان کے اَنوار و برکات سے متاثر ہو کر عوام مؤمنین کے قلوب بھی رمضان مبارک میں عبادات اور نیکیوں کی طرف زیادہ راغب اور بہت سے گناہوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ عبادت کی یہ عام فضا ان تمام طبائع کو جن میں کچھ بھی صلاحیت ہوتی ہے ‘نیکیوں کی طرف مائل اور شر و خباثت سے متنفر کر دیتی ہے۔

اس ماہِ مبارک کی خاص عبادت دن کا روزہ اور رات کی تراویح ہے جو ماحول کو پُرنور اور بابرکت بنا دیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ سازگار ماحول میسر آجائے تو کام کرنا آسان ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ رمضان کا مہینہ وہ سنہری موقع فراہم کرتا ہے کہ بندہ اس ماحول سے خاطر خواہ فائدہ اٹھاتے ہوئے برائیوں کو چھوڑنے کا عزم کر لے۔ وہ برائی جس کا چھوڑنا عام حالات میں بڑا مشکل ہو ‘ رمضان میں وہ نسبتاً آسانی سے چھوڑی جا سکتی ہے ۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی اور عنایت کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں اپنی روحانی کمزوریوں اور عملی کوتاہیوں سے نجات حاصل کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر سگریٹ نوشی کرنے والے اس ماہِ مبارک کے دوران ادنیٰ سی کوشش کے ساتھ اس عادتِ

بد سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ہر مسلمان کو برائیاں چھوڑنے کے لیے کمر ہمت باندھ لینی چاہیے۔
غیبت گناہِ کبیرہ ہے ‘رمضان کا آغاز ہوتے ہی ہمیں پختہ عہد کر لینا چاہیے کہ جہاں ہم

دن کا روزہ رکھیں گے وہاں سارا دن کسی کی غیبت نہیں کریں گے اور قرآن کے یہ الفاظ وردِ زبان رکھیں گے:{وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ} (الحُجرات:۱۲) ’’تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت نہ کرے‘‘۔یہ مشق رمضان کے پہلے ہفتے میں پوری توجہ کے ساتھ جاری رکھیں۔ دوسرا ہفتہ شروع ہو تو جھوٹ سے مکمل پرہیز کا عہد کر لیں اور آیت قرآنی : { اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴿ ۳ ﴾ } (الزمر) ’’بیشک اللہ تعالیٰ کسی جھوٹے ناشکرے کو ہدایت نہیں دیتا‘‘ ہر وقت پڑھتے رہیں اور کوئی بھی خلافِ واقعہ یا جھوٹی بات نہ کہیں۔ ایک ہفتے کی یہ سنجیدہ کوشش اس سازگار ماحول کی برکت سے کامیاب ہو جائے گی اور جھوٹ چھوٹ جائے گا۔ اسی طرح تیسرے ہفتے میں حصولِ رزق کے معاملے میں محتاط ہونے کا عہد کریں اور آیت قرآنی: {وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا } (المائدۃ:۸۸) ’’اور کھاؤ اس رزق میں سے جو اللہ نے تم کو دیا حلال اور پاکیزہ‘‘ کا ورد کرتے رہیں ۔ پھر چوتھے ہفتے میں وعدہ خلافی سے تائب ہو جائیں اور آیت قرآنی: {وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿ ۳۴ ﴾ }
(بنی اسرائیل) ’’اور عہد کو پورا کرو ‘بیشک عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا‘‘ پڑھتے رہیں۔ اگر رمضان کے دوران یہ چار گناہ چھوٹ جائیں تو یوں سمجھئے کہ ہم نے رمضان کے سازگار ماحول سے پورا فائدہ اٹھایا اور اللہ کی رحمت سے بھرپور استفادہ کیا۔ بصورتِ دیگر رمضان مبارک آکر گزر جائے گا اور کردار میں کوئی مثبت تبدیلی نہیں آئے گی۔ اللہ کی رحمت کی ارزانی سے کوئی فائدہ نہ اٹھانا بہت بڑی ناشکری اور بدبختی ہے۔ کردار و عمل کی اصلاح کے بغیر روزے کی مشقت بھی نری بھوک اورپیاس برداشت کرنا ہے جس کی اللہ کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں‘ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:
((مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ)) (رواہ البخاری وابوداؤد والترمذی) ’’جس شخص نے روزہ کے دوران جھوٹی بات اور باطل کام نہ چھوڑا تو اللہ کو اس کے بھوکاپیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں‘‘۔
آیئے ارادہ کریں کہ رمضان کے مقدس ماحول سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی عملی کوتاہیوں کو دُور کریں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین !

(23)پُرفتن دَور میں صحیح طرزِ عمل

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ شَبَّکَ النَّبِیُّ ﷺ اَصَابِعَہٗ وَقَالَ : ((کَیْفَ اَنْتَ یَا عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو اِذَا بَقِیَتْ حُثَالَۃٌ قَدْ مَرِجَتْ عُھُوْدُھُمْ وَاَمَانَاتُھُمْ وَاخْتَلَفُوْا فَصَارُوْا ھٰکَذَا)) ، قَالَ : فَکَیْفَ یَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ : ((تَاْخُذُ مَا تَعْرِفُ وَتَدَعُ مَا تُنْکِرُ وَتُقْبِلُ عَلٰی خَاصَّتِکَ وَتَدَعُھُمْ وَعَوَامَھُمْ))(معارف الحدیث، جلد ہشتم، بحوالہ صحیح البخاری)

'' حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا :'' اے عبداللہ بن عمرو ! تمہارا اُس وقت کیا حال اور کیا رویہ ہو گا جب صرف ناکارہ لوگ باقی رہ جائیں گے؟ ان کے معاہدات اور معاملات میں دغا فریب ہو گا اور ان میں (سخت) اختلاف (اور ٹکراؤ) ہو گا اور وہ باہم اس طرح گتھ جائیں گے (جیسے میرے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے گتھی ہوئی ہیں)'' عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ پھر مجھے کیسا ہونا چاہیے یارسول اللہ؟ (یعنی اس فسادِ عام کے زمانہ میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :''جس بات اور جس عمل کو تم اچھا اور معروف جانو اس کو اختیار کرو اور جس کو منکر اور برا سمجھو اس کو چھوڑدو اور اپنی پوری توجہ خاص اپنی ذات پر رکھو (اور اپنی فکر کرو) اور ان ناکارہ و بے صلاحیت اور آپس میں لڑنے بھڑنے والوں سے اور ان کے عوام سے تعرض نہ کرو۔''

رسول اللہ ﷺ کا یہ طریق تعلیم تھا کہ آپؐ سوالیہ انداز میں بات کرتے ، پھر مخاطب کے متوجہ ہونے پر وضاحت فرماتے۔ اس حدیث میں آپؐ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے پوچھتے ہیں کہ جب ناکارہ، بدکردار اور آپس میں لڑنے بھڑنے والے لوگ باقی رہ جائیں گے تو اُس وقت تمہارا کیا رویہ ہو گا؟ گویا آپؐ آنے والے بُرے وقت کی خبر دے رہے ہیں جب لوگوں کی اکثریت رذائل اخلاق میں بتلا ہو جائے گی، آپس کے عہد وپیمان کی اہمیت ختم ہو جائے گی، لوگ مکر و فریب کے دھندے اختیار کر لیں گے ، ہر کوئی دوسرے کو دھوکہ

دے کر اپنا مطلب نکالنے کی کوشش کرے گا، لوگوں کے درمیان نفرتیں، کدورتیں، بدخواہیاں اور دشمنیاں عام ہو جائیں گی، فضائل اخلاق جنسِ نایاب کی صورت اختیار کر لیں گے اور لوگوں میںآپس کے لڑائی جھگڑے باقی رہ جائیں

گے‘ لوگ آپس میں متصادم ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر بتایا کہ لوگ اس طرح گتھم گتھا ہو جائیں گے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے پوچھا کہ حضور اُس وقت مجھے کیسا ہونا چاہیے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اس صورت میں جس عمل کو تم اچھا سمجھو اسے اختیار کرو اور برے کاموں سے کنارہ کش رہو اور اپنی پوری توجہ اپنی ذات پر رکھو‘یعنی اپنی فکر کرو اور چھوڑو ان ناکارہ‘ بے صلاحیت‘ بے وقعت اور بے کار لوگوں کو جو اپنی بداعمالیوں میں مگن اور فکر فردا سے غافل لڑائی جھگڑے میں مصروف اور گناہ کی زندگی اختیار کیے ہوئے ہوں۔ ایسے لوگوں کے ذہن سے معروف اور منکر کا فرق ختم ہو جائے گا اور وہ خواہش نفس کی پیروی میں عہد معاہدوں کی پابندی اور امانت کی اہمیت سے بے بہرہ ہوں گے ۔ لڑائی جھگڑا اُن کا معمول بن چکا ہوگا۔

جب ماحول اس حد تک خراب ہو جائے تو عافیت اسی بات میں ہے کہ آدمی اپنا محاسبہ کرتا رہے ‘معروف کو اختیار کرے اور منکر سے بچتا رہے۔ جہاں تک استطاعت ہو لوگوں کو برائی سے بچنے کی‘ عہد وپیمان کی پابندی کرنے کی اور امانت میں خیانت نہ کرنے کی نصیحت کرتا رہے۔ مگر جب سمجھ لے کہ ان لوگوں کا بگاڑ اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ اصلاح کا کوئی طریقہ بھی کارگر نظر نہیں آتا تو اُن سے کنارہ کش ہو جائے اور اپنا جائزہ لیتا رہے کہ ماحول کی آلودگی اس کے دامن عفت و عصمت اور پارسائی کو داغ دار نہ کر دے۔ آخرت کی جواب دہی کے احساس کو اپنے نفس میں اُجاگر رکھے اور اپنے اعمال کے بارے میں باخبر اور چوکنا رہے‘ تاکہ کوئی عمل ایسا نہ صادر ہونے پائے جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہو اور کل قیامت کے دن وہ عمل عذاب کا موجب بن جائے۔ سورۃ الحشر میں ہے : {یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ لۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ ۚ}(آیت ۱۸) ’’اے اہل ایمان ! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو (یعنی اللہ کی نافرمانی کے کاموں سے بچتے رہو)اور ہر شخص دھیان رکھے کہ وہ کل کے لیے کیا آگے بھیج رہا ہے‘‘۔

فساد اور بے راہ روی کے دور میں برائیوں سے دُور رہنا ہی بڑی بات ہے ‘کیونکہ ماحول کے اثر سے متأثر نہ ہونا بڑا مشکل کام ہے۔ اس دور میں کنج عافیت کی تلاش ہی بہتر ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’قریب ہے کہ ایسا زمانہ آئے کہ ایک مسلمان کا اچھا مال بکریوں کا ایک گلّہ ہو جن کو لے کر وہ پہاڑیوں کی چوٹیوں اور بارش والی وادیوں کو تلاش کرے تاکہ وہ اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے راہِ فرار اختیار کرسکے‘‘۔ (صحیح البخاری) اس حدیث میں بھی اس بُرے ماحول کی خبر دی گئی ہے جس میں اپنے کردار و عمل کو فسق و فجور سے بچانا اس کے سوا ممکن نہ رہے کہ آدمی اپنے گلے کی بکریوں کو لے کر آبادی سے دُور نکل جائے ‘جہاں گھاس پات پر اس کی بکریوں کا گزارہ ہو اور وہ خود مختصر سی دُنیوی معیشت پر قناعت کر کے زندگی گزارے اور فتنوں سے محفوظ رہے۔ ایسے ہی وقت کے بارے میں

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ: ''لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ صبر و استقامت کے ساتھ دین پر قائم رہنے والا بندہ اُس وقت اُس آدمی کی مانند ہو گا جو ہاتھ میں جلتا ہوا انگارہ تھام لے''۔ (ترمذی)

اس طرح کی صورت حال میں کہ جب برائی کا دَور دَورہ ہو' جرائم عام ہو جائیں' امانت میں خیانت اور وعدہ خلافی لوگوں کا معمول بن جائے' اچھے لوگوں کی زندگی ماہیٔ بے آب کی طرح ہو جائے تو زمانے کے چلن سے اعراض کرتے ہوئے ساری توجہ اپنی ذات پر مرکوز کر لینے کی ضرورت ہے کہ لوگ جو مرضی کرتے رہیں لیکن میں خود معروف کا عامل اور منکر سے نفور رہوں۔ قرآن مجید میں ہے:

{یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَیۡکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ ۚ لَا یَضُرُّکُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اہۡتَدَیۡتُمۡ ؕ} (المائدۃ:۱۰۵)

''اے اہل ایمان ! تم پر صرف تمہاری ذمہ داری ہے۔ جب تم ہدایت پر ہو تو جو گمراہ ہوا وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا''۔

جب گمراہ اور فسق و فجور سے لتھڑے ہوئے لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کوئی اثر قبول کرنے کو تیار نہ ہوں تو اس وقت ان کی فکر چھوڑ کر پوری توجہ اپنی ذات پر دینی چاہیے تاکہ اپنا دامن ہر قسم کی برائی سے پاک رہے۔

(24) مسلم معاشرہ کے استحکام کے لیے ناگزیر

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: ((اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا)) (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہسے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم دوسروں کے متعلق بدگمانی سے بچو' کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے' اور تم کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو' اور جاسوسوں کی طرح رازدارانہ طریقے سے کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کیا کرو' اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی بے جا ہوس نہ کرو' اور آپس میں حسد نہ کرو' آپس میں بغض و کینہ نہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے مُنہ پھیرو' بلکہ اے اللہ کے بندو ! اللہ کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن کر رہو۔''

اسلامی تعلیمات میں اخلاقیات کی بہت اہمیت ہے۔ مکارمِ اَخلاق مسلم معاشرہ کے استحکام کے لیے نہایت اہم ہیں۔ ان سے انسان کی شخصیت میں کشش اور جاذبیت پیدا ہوتی ہے' جبکہ رذائل اخلاق اچھے بھلے آدمی کو قعرِ مذلت میں اتار دیتے ہیں۔ مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اخلاقی خوبیوں سے مالا مال ہو اور برائی سے متنفر ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَا شَيْءٌ اَثْقَلُ فِيْ مِيْزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ))

(سنن الترمذی)

''قیامت کے دن مؤمن کی میزانِ عمل میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری چیز جو رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے''۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہمارے لیے کامل نمونہ ہے۔ آپؐ کے اخلاق کے بارے میں قرآن مجید میں ہے: {وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝۴} (القلم) ''بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر ہیں''۔ آپؐ کی زندگی انتہائی پاکیزہ تھی۔ آپؐ کی اخلاقی خوبیوں کا اعتراف آپ کے دشمن بھی کرتے تھے اور آج بھی کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ)) (موطأ امام مالک)

''مجھے اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہنچانے کے لیے بھیجا گیا ہے''۔

اُمت کے افراد کو بھی رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اچھے اخلاق اپنانے کی تلقین کرتے رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا)) (متفق علیہ)

''تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں''۔

زیر درس حدیث میں' جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں' رسول اللہ ﷺ نے بدگمانی' عیب جوئی' دوسروں سے آگے بڑھنے کی بے جا ہوس' کینہ' بغض اور دوسروں کی تحقیر سے منع فرمایا ہے اور ہدایت کی ہے کہ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔ گویا اسلامی اخوت کا تقاضا ہے کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ' ہمدرد' غم گسار اور مددگار بن کر رہیں اور اخلاقی کمزوریوں سے اپنے آپ کو دُور رکھیں۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے بدظنی سے روکا ہے کہ یہ سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔ بدظنی سے نفرت اور عداوت جنم لیتی ہے' جبکہ حسن ظن محبت پیدا کرتا ہے۔ تمام اخلاقی کمزوریوں کی طرح بدظنی بھی ایک لذیذ گناہ ہے' اس سے بچنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک مسلمان بھائی اعلانیہ صدقہ و

خیرات کرتا ہو تو بدگمانی کرتے ہوئے یہ سمجھنے کی بجائے کہ وہ ریاکاری اور نمائش کر رہا ہے' یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ وہ اس لیے اعلانیہ خرچ کرتا ہے تاکہ دوسروں کو اپنی مثال سے انفاق فی سبیل اللہ پر اُبھارے! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ حُسْنَ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ)) (مسند احمد وسنن ابی داؤد)

''نیک گمان رکھنا بہترین عبادت ہے''۔

اس حدیث میں دوسرا گناہ جس سے روکا گیا ہے' وہ دوسروں کی کمزوریوں اور عیبوں کے پیچھے پڑنا ہے۔ یہ بھی بُری عادت ہے جو نفرت اور عداوت پیدا کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ)) (صحیح مسلم)

''جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اُس کے عیبوں پر

پردہ ڈالے گا''۔

ہر انسان کے اندر کمزوریاں اور خامیاں موجود ہوتی ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ میری یہ کمزوریاں دوسروں کے علم میں نہ آئیں اور نہ انہیں اُچھالا جائے' تو وہ دوسروں کے عیب کیوں تلاش کرے؟ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ)) (صحیح البخاری)

''تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے''۔

تیسری بات اس حدیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی بے جا ہوس نہ کرو' یعنی دوسرے مسلمان بھائی کو نیچا دکھانے کے درپے نہ رہو۔ اگر کسی کو کہیں فائدہ پہنچ رہا ہو تو مداخلت کر کے وہ فائدہ خود حاصل کرنے کی کوشش کرنا اور اسے محروم رکھنا کسی طور پر بھی جائز نہیں۔

چوتھی بات جس سے اس حدیث میں روکا گیا ہے' وہ آپس میں حسد کرنا ہے' اور حسد کرنا گویا اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو ناپسند کرنا ہے۔ جس شخص کو اللہ نے مال و دولت' حسن و جمال' عزت و عظمت دے رکھی ہے اس سے حسد کرنا تو گویا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر اعتراض اور ناپسندیدگی کا اظہار ہے۔ اسلامی اخوت کا تقاضا ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی کامیابیوں اور کامرانیوں پر خوش ہو نہ کہ اس چیز کو بُرا منائے۔

پانچویں بات جس سے منع کیا گیا ہے' وہ آپس میں ایک دوسرے سے بغض رکھنا ہے۔ یہ عادت بھی کسی

مسلمان کے شایانِ شان نہیں ۔ بھائی تو بھائی کا خیر خواہ ہوتا ہے' وہ بھائی کے لیے اپنے دل میں بغض کیوں رکھے گا؟ بغض سے نفرت اور عداوت جنم لیتی ہے' مگر مسلمان تو رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ کی شان کے حامل ہیں۔ اُن کے اندر آپس کا بغض ہرگز قابل برداشت نہیں۔ اگر کہیں ایسی صورت حال پیدا ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مداخلت کر کے فریقین کے درمیان مصالحت کرا دیں۔

آخری بات رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہ فرمائی کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے مُنہ نہ پھیریں۔ یعنی نہ تعلق قطع کریں 'نہ بول چال بند کریں اور نہ ایک دوسرے کو

بنظرِ حقارت دیکھیں۔ اگر مجلس میں بیٹھیں تو دوسرے کو نظر انداز کرتے ہوئے اُس کی طرف پیٹھ کر کے نہ بیٹھیں 'مبادا وہ احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جائے۔ آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو! یعنی اخوت کے تقاضے پورے کرتے ہوئے ہمہ وقت دوسرے مسلمانوں کے لیے خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات رکھو۔

مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ' وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ نے فرمایا: ''دیکھو ابھی ایک جنتی شخص آنے والا ہے''۔ اتنے میں ایک انصاری رضی اللہ عنہ اپنے بائیں ہاتھ میں اپنی جوتیاں لیے ہوئے تازہ وضو کر کے آ رہے تھے' داڑھی پر سے پانی ٹپک رہا تھا ۔دوسرے دن بھی اسی طرح ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ نے یہی فرمایا اور وہی صاحب اسی طرح تشریف لائے ۔ تیسرے دن بھی یہی ہوا۔ اس بار حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما دیکھتے بھالتے رہے اور جب مجلس نبویؐ 'ختم ہوئی اور یہ بزرگ وہاں سے اٹھ کر چلے تو یہ بھی ان کے پیچھے ہو لیے اور ان انصاری صحابیؓ سے کہنے لگے کہ حضرت! مجھ میں اور میرے والد میں کچھ تکرار ہو گئی ہے جس پر میں قسم کھا بیٹھا ہوں کہ تین دن تک اپنے گھر نہیں جاؤں گا' پس اگر آپ مہربانی فرما کر مجھے اجازت دیں تو میں تین دن آپ کے ہاں گزار لوں! انہوں نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے تین راتیں ان کے ساتھ گزاریں۔

اس دوران آپؓ نے مشاہدہ کیا کہ وہ انصاری صحابیؓ رات کو تہجد کی لمبی نماز بھی نہیں پڑھتے' بلکہ صرف اتنا کرتے ہیں کہ جب آنکھ کھلتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی بڑائی اپنے بستر پر ہی لیٹے لیٹے کر لیتے ہیں' یہاں تک کہ صبح کی نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہاں یہ بات ضرور تھی کہ میں نے ان کے مُنہ سے سوائے کلمۂ خیر کے اور کچھ نہیں سنا۔ جب تین راتیں گزر گئیں تو مجھے ان کا عمل بہت ہی ہلکا سا معلوم ہونے لگا ۔اب میں نے ان سے کہا کہ حضرت! دراصل نہ تو میرے اور میرے والد کے درمیان ایسی کوئی بات ہوئی تھی اور نہ ہی میں نے ناراضگی کے باعث گھر چھوڑا تھا' بلکہ واقعہ یہ ہوا کہ تین مرتبہ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابھی ایک جنتی شخص آرہا ہے اور تینوں مرتبہ آپؓ ہی آئے تو میں نے ارادہ کیا کہ آپ کی خدمت میں کچھ دن رہ کر دیکھوں تو سہی کہ آپؓ ایسی
کون سی عبادتیں کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی زبانِ مبارک سے ‘جیتے جی آپ کے جنتی

ہونے کی یقینی خبر ہم تک پہنچ گئی ‘لیکن میں نے آپؓ‘ کو نہ تو کوئی نیا عمل کرتے ہوئے دیکھا نہ عبادت میں ہی اوروں سے بڑھا ہوا دیکھا‘اب میں جا رہا ہوں‘ لیکن ایک زبانی سوال ہے کہ آپ ہی بتایئے کہ آخر وہ کون سا عمل ہے جس نے آپ کو پیغمبر خدا ﷺ کی زبانی جنتی بنایا؟ اُن انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا بس تم میرے اعمال کو دیکھ چکے‘ ان کے سوا اور کوئی خاص پوشیدہ عمل نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ انصاری صحابیؓ اُن سے رخصت ہو کر بس تھوڑا سا چلے تھے کہ انہوں نے مجھے آواز دی اور فرمایا: ہاں میرا ایک عمل سنتے جائو‘وہ یہ کہ میرے دل میں کبھی کسی مسلمان سے حسد اور بغض اور اس سے دھوکہ بازی کا ارادہ تک بھی نہیں ہوا‘ میں کبھی کسی مسلمان کا بدخواہ نہیں بنا۔ حضرت عبداللہ ؓنے یہ سن کر فرمایا کہ بس اب معلوم ہو گیا ہے‘اسی عمل نے آپ کو اس درجہ تک پہنچایا ہے‘ اور یہ وہ چیز ہے جو ہر ایک کے بس میں نہیں۔(بحوالہ تفسیر ابن کثیر ، سورۃ الحشر)

(25)زبان کی اہمیت

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ رَفَعَہٗ قَالَ: ((اِذَا اَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَاِنَّ الْاَعْضَائَ کُلَّھَا تُکَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُوْلُ : اِتَّقِ اللّٰہَ فِیْنَا فَاِنَّا نَحْنُ بِکَ فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَاِنِ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا)) (رواہ الترمذی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے‘ وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:’’جب آدمی صبح کرتا ہے تو اس کے سارے اعضاء عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے کہتے ہیں کہ (خدا کی بندی ہم پر رحم کر اور) ہمارے بارے میں خدا سے ڈر‘ کیونکہ ہم تو تیرے ہی ساتھ بندھے ہوئے ہیں‘ تو ٹھیک رہی تو ہم ٹھیک رہیں گے ‘ اور اگر تو نے غلط روی اختیار کی‘ تو ہم بھی غلط ہو جائیں گے (اور پھر ہمیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہو گا)۔‘‘

انسان کے سارے اعضاء کی اپنی اپنی جگہ اہمیت ہے ،مگر کسی فرد کی شخصیت کا حقیقی تعارف اُس کی زبان سے ہی ہوتا ہے۔ جب تک کوئی بندہ خاموش رہتا ہے اور زبان نہیں کھولتا

اُس وقت تک اُس کے خوب و زشت چھپے رہتے ہیں۔ فارسی کا ایک شعر ہے : ؎

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

''جب تک کوئی شخص زبان سے بات نہ کرے اس وقت تک اس کے عیب و ہنر پوشیدہ رہتے ہیں۔''

پس کسی آدمی کی شخصیت کے معیار کا تعین اس کی گفتگو سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ پھر اگر زبان نے میٹھے بول بولے تو انسان کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوا ،جس سے پورے جسم کے اعضاء نے آسودگی پائی۔ اس کے برعکس اگر زبان کا بے جا اور نامناسب استعمال ہوا تو انسان کی پوری شخصیت بدنام ہوئی۔ اور اگر زبان سے ادا کیے گئے الفاظ زیادہ ہی تلخ ہوئے اور سزا کے مستوجب ٹھہرے تو جسم کے سارے اعضاء تکلیف میں پڑ جائیں گے۔ اسی لیے اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ دن نکلتا ہے تو تمام اعضاء عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے کہتے ہیں کہ اللہ سے ڈر کیونکہ ہم تیرے ہی ساتھ بندھے ہوئے ہیں ،اگر تو ٹھیک رہی تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے اور اگر تو نے کجی اختیار کی تو ہم بھی کج ہو جائیں گے۔

اس حدیث کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے زبان کے صحیح استعمال کی تعلیم دی ہے۔ اس زبان سے جہاں ذکر و اذکار، درود شریف اور دوسری زبانی عبادات کر کے اللہ کی خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے وہاں اس کے غلط استعمال سے جھوٹ، غیبت، طعن و تشنیع، گالی گلوچ جیسے بڑے بڑے گناہ حاصل ہوتے ہیں۔ شیریں کلامی سے بڑے سے بڑے سخت دل کو نرم کر لیا جاتا ہے جبکہ بدکلامی سازگار ماحول کو بھی تلخ کر دیتی ہے۔

جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَمَتَ نَجَا)) ''جو چپ رہا وہ نجات پا گیا۔''

گویا آپ ﷺ نے زیادہ گفتگو کرنے سے منع فرمایا ،کیونکہ زیادہ باتیں کرنے والے کی زبان سے بہت سی باتیں فضول اور غیر ضروری نکل جاتی ہیں اور اس کا رویہ محتاط نہیں رہ سکتا۔ اچھا انداز یہ ہے کہ زبان کو بس اچھی باتوں کے لیے ہی استعمال کیا جائے۔ دیکھئے رسول اللہ ﷺ کو قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لیے ہدایات دینی تھیں اور آپؐ نے اُمت کو ہر چھوٹی بڑی ضروری بات بتادی تھی ،مگر اس کے باوجود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے رسول اللہ ﷺ کے

بارے میں یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں کہ:

فَكَانَ طَوِيلَ الصَّمتِ قَلِيلَ الضِّحكِ (مسند احمد)

''پس رسول اللہ ﷺ اکثر خاموش رہتے تھے اور بہت کم ہنسا کرتے تھے۔''

اور طبرانی میں ہے:

''آپ ﷺ صرف وہی بات کرتے تھے جس پر آپ کو ثواب کی امید ہوتی تھی۔''

مختلف مواقع پر آپ ﷺ نے زبان کے صحیح استعمال کی پرزور تاکید کی ہے۔ آپؐ نے ایک طویل حدیث میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے پند و نصائح کی باتیں کرتے ہوئے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا:

((كُفَّ عَلَيْكَ ... وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَوْ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلاَّ حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ)) (ترمذی)

''اے معاذ! اس کو روک کر رکھ... لوگوں کو ان کی زبانوں کی (بری) کمائیاں ہی ان کے چہروں کے بل یا نتھنوں کے بل آگ میں گرائیں گی۔''

اسی طرح جب حضرت سفیان بن عبدا للہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے بارے میں آپ کس چیز کو سب سے زیادہ خطرناک سمجھتے ہیں' تو آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور فرمایا کہ ''سب سے زیادہ خطرہ اس سے ہے''۔ (جامع ترمذی)

اس کے علاوہ آپ ﷺ نے ایک اصولی بات ارشاد فرمائی:

((مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ)) (ابن ماجہ، ترمذی)

''کسی شخص کے اسلام کی خوبی میں یہ بات بھی ہے کہ جو چیز اس کے لیے ضروری اور مفید نہ ہو اُس کو چھوڑ دے۔''

ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مخاطب تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں تمہیں دو ایسی خصلتیں بتاتا ہوں جو پیٹھ پر بہت ہلکی ہیں (یعنی اُن کے اختیار کرنے میں کوئی زیادہ بوجھ نہیں اٹھانا پڑتا) اور اللہ کی میزان میں وہ بھاری ہیں۔ اُن میں سے ایک زیادہ خاموش رہنے کی عادت ہے اور دوسری حسن اخلاق۔ آپ ﷺ نے ربّ ذوالجلال کی قسم کھائی اور فرمایا کہ مخلوقات کے اعمال میں یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے درجے کی اور کوئی چیز نہیں''۔ (شعب الایمان بیہقی)

پس رسول اللہ ﷺ نے زبان کے استعمال میں انتہائی محتاط رویہ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے تاکہ کوئی غیر ضروری' باعث ضرر اور گناہ کا کلمہ زبان سے نہ نکل جائے۔ اس ضمن میں اللہ کے ذکر کو بڑی اہمیت حاصل ہے کہ جب زبان اکثر اللہ کے ذکر میں مشغول رہے گی تو فضولیات سے بچی رہے گی' اور اللہ کا ذکر تو نورٌ علیٰ نورٍ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

{وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط} (العنکبوت:۴۵)

''اور لازماً اللہ کا ذکر تو بہت بڑی بات ہے''۔

قرآن مجید میں ہے:

{مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ} (قٓ)

''کوئی شخص جو الفاظ بھی زبان سے بولتا ہے اسے محفوظ کرنے کے لیے ایک چاک و چوبند نگران موجود ہوتا ہے۔'' گویا انسان کی گفتگو کا ریکارڈ ہی اُس کا نامۂ اعمال ہے۔

تاریخ اسلامی میں ایک مسلمان خاتون کا عجیب قصہ ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ حج کو جا رہے تھے۔ راستہ میں انہیں ایک عرب خاتون ملی جو اکیلی بیٹھی تھی ۔ پوچھا: آپ یہاں کیسے بیٹھی ہیں؟ وہ کہنے لگی: فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ (جس کو اللہ راہ سے بچلا دے اس کی راہنمائی کون کر سکتا ہے؟) انہوں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے۔ کہنے لگی: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (اور لوگوں پر اللہ کی خاطر خانہ کعبہ کا حج فرض ہے جو وہاں پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں)۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ خاتون قافلے سے بچھڑ گئی ہے اور حج کے لیے مکہ مکرمہ جا رہی ہے۔ کہنے لگے آپ کب سے یہاں ہیں؟ اُس نے جواب دیا: ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا (برابر تین راتیں)۔ آپ نے پوچھا: آپ کھانا کھائیں گی؟ کہنے لگی: اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ (روزے کو رات تک پورا کرو)۔ آپ نے کہا: خاتون! سفر میں تو روزہ معاف ہوتا ہے۔ کہنے لگی: مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ (جو شخص دل کی آمادگی کے ساتھ بھلائی کرے تو اللہ قدر دان اور جاننے والا ہے)۔ غرض امام صاحب جو بھی بات پوچھتے وہ اس کے جواب میں قرآن مجید کی آیت پڑھ کر اپنا مدعا بیان کردیتی۔ آپ نے اس کو بھی قافلے کے ساتھ لے لیا اور مکہ مکرمہ کی طرف چل پڑے ۔ وہاں پہنچ کر اس خاتون کے بیٹوں سے ملاقات ہوئی تو پوچھا کہ آپ کی والدہ سے جو بھی بات میں نے پوچھی ہے اُس نے جواب میں قرآن کی

آیت پڑھ کر اپنا مطلب واضح کیا ہے' ایسا کیوں ہے؟ انہوں نے کہا ہماری والدہ حافظہ ہے۔ ایک دفعہ ایک واعظ نے اپنے پرتاثیر وعظ میں زبان کی غلط گفتاری کے سنگین نتائج پر بات کی' اُس دن کے بعد عرصہ ہوا کہ انہوں نے اپنی زبان سے آیات قرآنی کے علاوہ کوئی بات نہیں کی۔ اپنا مطلب بیان کرنے کے لیے یہ ہمیشہ قرآن کی آیت پڑھتی ہیں۔ مثلاً کھانا طلب کرنا ہو تو فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا کہہ دیتی ہیں اور ہم ان کے سامنے کھانا رکھ دیتے ہیں۔ گویا ان کا نامہ اعمال جو تیار ہورہا ہے اُس میں قرآنی آیات کے سوا اور کوئی بات نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ علیہ اُس عورت کے اس طرزِ عمل اور اس قدر ثابت قدمی' احتیاط اور تقویٰ پر بہت متعجب ہوئے۔

زیر درس حدیث کے الفاظ ہمیں سبق دیتے ہیں کہ زبان کے استعمال میں حتی الوسع احتیاط کی جائے ‘کیونکہ اس کا غلط استعمال نتیجے کے اعتبار سے انتہائی خطرناک ہے۔ جبکہ اس کا محتاط استعمال دین اور دنیا کی بھلائیوں کا باعث ہے۔

(26)ہمسائیگی کے بعض متعین حقوق

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ حَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ :((حَقُّ الْجَارِ اِنْ مَرِضَ عُدْتَهٗ وَاِنْ مَاتَ شَيَّعْتَهٗ وَاِنِ اسْتَقْرَضَكَ اَقْرَضْتَهٗ وَاِنْ اَعْوَرَ سَتَرْتَهٗ وَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرٌ هَنَّاْتَهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ مُصِيْبَةٌ عَزَّيْتَهٗ وَلَا تَرْفَعْ بِنَائَكَ فَوْقَ بِنَائِهٖ فَتَسُدَّ عَلَيْهِ الرِّيْحَ وَلَا تُؤْذِيْهِ بِرِيْحِ قِدْرِكَ اِلاَّ اَنْ تَغْرِفَ لَهٗ مِنْهَا)) (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’پڑوسی کے حقوق تم پر یہ ہیں کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت اور خبرگیری کرو‘ اور اگر انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائو (اور تدفین کے کاموں میں ہاتھ بٹائو) ‘اور اگر وہ (اپنی ضرورت کے لیے) قرض مانگے تو (بشرطِ استطاعت) اس کو قرض دو‘ اور اگر وہ کوئی برا کام کر بیٹھے تو پردہ پوشی کرو‘ اور اگر اسے کوئی نعمت ملے تو اس کو مبارک باد دو‘ اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو تعزیت کرو‘ اور اپنی عمارت اس کی

عمارت سے اس طرح بلند نہ کرو کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے ‘ اور (جب تمہارے گھر کوئی اچھا کھانا پکے تو) تمہاری ہانڈی کی مہک اس کے لیے (اور اس کے بچوں کے لیے) باعثِ ایذا نہ ہو (یعنی اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی مہک اس کے گھر تک نہ جائے) اِلاّ یہ کہ اس میں سے کچھ اس کے گھر بھی بھیج دو (اس صورت میں کھانے کی مہک اس کے گھر تک جانے میں کوئی مضائقہ نہیں)۔‘‘

اسلام امن و سلامتی کا دین ہے ۔ اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے معاشرے میں خوشگوار ماحول پیدا ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ یہاں ہر شخص کو اُس کے حقوق و فرائض سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اگر معاشرے کے تمام افراد فرائض کی ادائیگی میں اپنی ذمہ داری کا احساس کریں تو ماحول آسودہ ہو جائے گا۔

ہمسایہ انسان کا قریب ترین ساتھی ہوتا ہے ‘اس کے ساتھ ہر وقت کا رابطہ ہوتا ہے۔ اگر اُس کے ساتھ تعلقات خوشگوار ہوں تو زندگی میں آرام اور سکون میسر آ جاتا ہے ۔ اس کے برخلاف اگر ہمسایہ کے ساتھ

تعلقات کشیدہ ہوں گے تو زندگی بے مزہ بلکہ تلخ ہو جائے گی۔ ہمسائے کے ساتھ اچھے تعلقات کی بنیاد ہمدردی' خیر خواہی اور خلوص پر ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہمسائے کے گزر اوقات سے واقف رہیں ۔اگر وہ بیمار پڑ جائے تو اُس کی عیادت اور خبرگیری کریں۔ دوا دارو کی ضرورت ہو تو اس کو لا کر دیں۔بیماری کی وجہ سے اُسے جس قسم کی امداد کی ضرورت ہو وہ پوری کریں۔ اُس کو تسلی دیں اور ہمدردی کے جذبات کا اظہار کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے مریض کی عیادت کا حکم دیا ہے۔ آپ ؐخود بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے اور اُس کا حوصلہ بلند کرنے والی ہمت افزا باتیں کرتے۔ مریض کی عیادت بڑی فضیلت کا کام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا :''جس کسی نے مریض کی عیادت کی تو اللہ کا منادی آسمان سے پکارتا ہے کہ تو مبارک اور عیادت کے لیے تیرا چل کر آنا مبارک 'اور تو نے یہ عمل کر کے جنت میں اپنا گھر بنا لیا''۔ (سنن ابن ماجہ)

اگر ہمسایہ فوت ہوجائے تو اُس کے کفن دفن میں اُس کے لواحقین کی مدد کی جائے' اُس کے جنازے میں شریک ہو کر اُس کے لیے مغفرت کی دعا کی جائے 'اُس کے پس ماندگان کو صبر کی تلقین کی جائے اور ہر طرح کا تعاون پیش کیا جائے' اُس کے بال بچوں کے لیے خیر خواہی کے جذبات رکھے جائیں اور اُن کا خیال رکھا جائے۔

اگر ہمسایہ کسی مشکل میں پڑ جائے 'اُس کی مالی حالت خراب ہو جائے اور وہ قرض کا تقاضا کرے تو آدمی کو تاکید کی گئی ہے کہ اُس کو ضرورت کے مطابق قرض دے۔ اگر مقروض مجبور ہوجائے اور بروقت قرض ادا نہ کر سکے اور قرض دار اسے مہلت دے تو یہ بڑی فضیلت کا کام ہے' اور اگر اُس کی تنگ دستی کے پیش نظر اُسے قرض کی رقم معاف ہی کر دے تو یہ بہت بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔

اس حدیث میں ہمسائے کے حقوق کے ضمن میں یہ ہدایت بھی کی گئی ہے کہ اگر اپنے ہمسائے کی کسی برائی کا علم ہو جائے تو اُس کی پردہ پوشی کی جائے ۔ اُس کا کوئی راز معلوم ہو جائے تو اس کو دوسروں پر افشا نہ کیا جائے ۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے :''جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اُس کے گناہوں پر پردہ ڈالے گا''۔ ہمسائے کا ایک حق یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر اسے کوئی خوشی ملے تو اس کو مبارک باد دی جائے اور اگر اس کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس کے ساتھ اظہارِ ہمدردی اور تعزیت کی جائے اور اُس کے غم میں شریک ہو کر اسے صبر کی تلقین کی جائے۔

بندے کو لازم ہے کہ اپنے مکان کی دیوار اس طرح بلند نہ کرے کہ ہمسائے کے گھر کی ہوا بند ہو جائے اور اس کے لیے مشکل پیدا ہو 'بلکہ ہمسائے کے لیے آسانی پیدا کی جائے اور اسے مشکل و مشقت سے بچایا جائے۔

ہمسائے کے آرام و سکون کا دھیان رکھنے کی تاکید کی گئی ہے 'جبکہ ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے جس سے ہمسائے کے جذبات کو ٹھیس پہنچے۔یہاں تک کہ اگر کسی کے گھر میں اچھا کھانا پکے تو اس کی مہک

کو ہمسائے کے گھر جانے سے روکے۔ اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو اس کھانے میں سے تھوڑا سا اس کے گھر میں بھی بھیج دے ‘تاکہ اچھے کھانے کی مہک سے ہمسائے کے دل میں طمع اور طلب پیدا نہ ہو جو اس کے لیے تکلیف کا باعث ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ’’جب تم میں سے کسی کے ہاں سالن کی ہانڈی پکے تو اسے چاہیے کہ شوربہ زیادہ کر لے‘ پھر اس میں سے کچھ پڑوسیوں کو بھی بھیج دے‘‘۔ (جامع اوسط الطبرانی) ظاہر ہے کہ کھانے کی مہک کو تو ساتھ والے گھر تک پہنچنے سے روکا نہیں جا سکتا‘ تو ایسی صورت میں لازم ہوا کہ ہمسائے کے گھر میں بھی تھوڑا سا کھانا بھیج دیا جائے۔

ہمسائے کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے

جس میں آپؐ نے فرمایا: ’’جبرئیل پڑوسی کے حق میں مجھے برابر وصیت اور تاکید کرتے رہے‘ یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگا کہ وہ اس کو وارث قرار دے دیں گے۔‘‘ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) آپ ﷺ نے ہمسائے کے ساتھ حسن سلوک کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔ آپؐ نے تین بار اللہ کی قسم کھائی اور پھر فرمایا کہ ’’وہ شخص ایمان والا نہیں جس کے پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہوں‘‘۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

صحیح مسلم ہی کی ایک حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ’’وہ آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جس کی شرارتوں اور ایذائوں سے اس کے پڑوسی مأمون نہ ہوں‘‘۔

ہمسایوں کے حقوق کا کماحقہ لحاظ رکھا جائے تو معاشرہ واقعی جنت نظیر بن سکتا ہے۔ دوسروں کی خوشیوں میں شریک ہونے سے اُن کی خوشی دوبالا ہو جاتی ہے اور مصیبت اور غم کی صورت میں تعزیت اور اظہارِ ہمدردی سہارے کا باعث بنتی ہے۔ ہمسائیگی کے تعلقات کو خوش اسلوبی کے ساتھ استوار رکھنا دنیاوی اور اُخروی اجر وثواب کا باعث ہے‘ جبکہ ہمسائے سے بے تعلق رہنا اور اُس کی خبرگیری نہ کرنا ایمان کے منافی قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا جو ایسی حالت میں اپنا پیٹ بھر کر رات کو (بے فکری سے) سو جائے کہ اس کے برابر رہنے والا اس کا پڑوسی بھوکا ہو اور اس آدمی کو اس کے بھوکا ہونے کی خبر بھی ہو‘‘۔ (معارف الحدیث‘ جلد ششم)

پس اس حدیث سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ ہمسایوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھیں‘ اُن کی خوشی اور غمی میں شریک ہوں‘ مشکل وقت میں ان کی مدد کریں اور کسی طور پر بھی اُن کے لیے پریشانی اور تکلیف کا باعث نہ بنیں۔

(27) رسول اللہ ﷺ سے حقیقی محبت کے تقاضے

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ قُرَادٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ تَوَضَّاَ یَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُہٗ یَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِہٖ، فَقَالَ لَھُمُ النَّبِیُّ ﷺ: ((مَا یَحْمِلُکُمْ عَلٰی ھٰذَا؟)) قَالُوْا: حُبُّ اللہِ وَرَسُوْلِہٖ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ((مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یُّحِبَّ

اللہَ وَرَسُوْلَہٗ اَوْ یُحِبُّہُ اللہُ وَرَسُوْلُہٗ فَلْیَصْدُقْ حَدِیْثَہٗ اِذَا حَدَّثَ وَلْیُؤَدِّ اَمَانَتَہٗ اِذَا اؤْتُمِنَ وَلْیُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَہٗ)) (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

''حضرت عبدالرحمن بن ابی قراد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن وضو فرمایا تو آپؐ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وضو کا پانی لے لے کر (اپنے چہروں اور جسموں پر) ملنے لگے، آپؐ نے فرمایا: ''تم کو کیا چیز اس فعل پر آمادہ کرتی ہے اور کون سا جذبہ تم سے یہ کام کراتا ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: ''اللہ اور اس کے رسولؐ، کی محبت''۔ ان کا یہ جواب سن کر آپؐ نے فرمایا: ''جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اس کو اللہ اور اس کے رسولؐ سے حقیقی محبت ہو یا یہ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ اس سے محبت کریں تو اسے چاہیے کہ جب وہ بات کرے تو ہمیشہ سچ بولے، اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو ادنیٰ خیانت کے بغیر اس کو ادا کرے اور جس کے پڑوس میں اس کا رہنا ہو اُس کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔''

رسول اللہ ﷺ وضو فرما رہے تھے، صحابہؓ آپؐ کے وضو کے پانی کو ہاتھوں میں لے کر اپنے جسموں پر مل رہے تھے۔ آپؐ نے اُن سے دریافت فرمایا کہ وہ یہ کام کیوں کر رہے ہیں؟ جواب میں انہوں نے عرض کیا کہ ہم یہ کام اللہ کی محبت اور اس کے رسولؐ، کی محبت میں کر رہے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے انہیں وہ تین عمل بتائے جو اللہ اور اس کے رسولؐ، کی محبت کا باعث ہیں۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ آپ ﷺ نے اُن کے اس عمل پر نہ تو پسندیدگی کا اظہار کیا اور نہ ہی ناراض ہوئے۔ پسندیدگی کا اظہار تو اس لیے نہیں کیا کہ عقیدت پر اکتفا عمل میں کوتاہی کا باعث بنتا ہے اور سہل پسند نفس اس بات کو کافی سمجھتا ہے کہ اُس کا تعلق کسی خدا رسیدہ بزرگ کے ساتھ ہے اور یہ بات اُس کو دوسرے ضروری اعمال کے بجا لانے میں سست کر دیتی ہے جو کہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسلام تو عمل پر زور دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اُمت کو یہ بات سکھانا چاہتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اسلامی اخلاق و اقدار کو اپنایا جائے۔ عقیدت کے اظہار کا یہی بہترین طریقہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس بات کو پسند نہ کرتے تھے کہ آپؐ، کسی محفل میں جائیں تو اہل محفل کھڑے ہو کر عقیدت کا اظہار کریں۔ اسی طرح اس موقع پر بھی آپؐ نے پسندیدگی کا اظہار نہیں کیا کہ اُن کے وضو کے پانی کو دوسرے لوگ عقیدۃً استعمال کریں۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس عمل پر ناپسندیدگی کا اظہار رسول اللہ ﷺ نے اس لیے نہیں کیا کہ آپؐ کے وضو کا مستعمل پانی پاک تھا اور اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ عام لوگوں کے وضو کا مستعمل پانی پاک نہیں رہتا ،کیونکہ وضو کے پانی کے ساتھ جہاں اعضاء کی گرد و غبار یا میل کچیل شامل ہوجاتی ہے وہاں ہاتھ، پائوں، آنکھوں اور کانوں وغیرہ کے صغیرہ گناہ بھی پانی میں مل کر اسے آلودہ اور ناقابل استعمال بنا دیتے ہیں۔ مگر رسول اللہ ﷺ کے اعضاء تو نورانیت سے بھرپور تھے۔ آپؐ کے استعمال شدہ پانی کے آلودہ ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا، لہٰذا آپؐ نے صحابہ کو اپنے وضو کے مستعمل پانی کو استعمال کرنے سے روکا نہیں ، البتہ انہیں تین بہت ضروری اعمال کی ترغیب دی۔ پہلی بات یہ کہ ہمیشہ سچ بولیں، کیونکہ جھوٹ کبیرہ گناہ ہے جو کئی دوسرے گناہوں کا سبب بنتا ہے۔ یہ بہت بڑی اخلاقی کمزوری ہے۔ جھوٹ کی عادت انسان کے عزت و وقار کو ختم کر دیتی ہے۔ جھوٹ بول کر روزی کمانے سے رزق میں حرام شامل ہو جاتا ہے اور حرام روزی عبادت اور دُعا کی قبولیت میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ جھوٹ کو آپؐ نے منافقت کی علامتوں میں سے ایک علامت بتایا ہے۔ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((یُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَی الْخِلَالِ کُلِّھَا اِلاَّ الْخِیَانَۃَ وَالْکَذِبَ)) (مسند احمد)

''مؤمن کی طبیعت اور فطرت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے سوائے خیانت اور جھوٹ کے''۔

ایک متفقّ علیہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جھوٹ سے دُور رہو، بے شک جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو سرکشی و نافرمانی کے راستے پر ڈال دیتی ہے اور سرکشی دوزخ تک پہنچا دیتی ہے''۔ پس آپؐ نے اس موقع پر بھی اپنے عقیدت مندوں کو ہمیشہ سچ بولنے کی تلقین فرمائی۔

دوسری بات رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی کہ جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو وہ پوری کی پوری واپس لوٹائو۔ گویا آپؐ نے خیانت کے ارتکاب سے روکا اور امانت داری اپنانے کی تلقین کی۔ خیانت بہت بڑی اخلاقی برائی ہے۔ آپ ﷺ نے منافقت کی علامتوں میں سے ایک علامت خیانت کو قرار دیا ہے۔ امانت داری کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہر معاہدہ امانت ہے اور اس کی پابندی نہ کرنا خیانت ہے۔ اپنے فرائض منصبی میں کوتاہی کا ارتکاب بھی

خیانت ہے۔ کسی حق دار کو اُس کے حق سے محروم کرنا خیانت ہے۔ ایک آدمی کسی دوسرے کے ساتھ رازداری کی بات کرتا ہے تو اس بات کا ذکر دوسروں کے سامنے کرنا خیانت ہے۔ الغرض کسی بھی ذمہ داری کے پورا کرنے

میں کوتاہی کرنا امانت میں خیانت کرنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے مستعمل پانی کو جسم پر لینے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تیسری بات آپؐ نے یہ ارشاد فرمائی کہ اپنے ہمسائے کے ساتھ اچھا رویہ رکھیں۔ ہمسائے کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ)) (متفق علیہ)

''جبریل علیہ السلام پڑوسی کے حق کے بارے میں مجھے برابر تاکید کرتے رہے' یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگا کہ وہ اس کو وارث قرار دے دیں گے''۔

ایک موقع پر تو رسول اللہ ﷺ نے تین دفعہ اللہ کی قسم کھا کر فرمایا:

((لَا وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ ' لَا وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ ' لَا وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ)) قَالُوْا : وَمَنْ ذَاکَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ : ((جَارٌ لَا يَأْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ)) (مسند احمد)

'' اللہ کی قسم وہ شخص صاحب ایمان نہیں' اللہ کی قسم وہ شخص صاحب ایمان نہیں' اللہ کی قسم وہ شخص صاحب ایمان نہیں!'' صحابہ نے عرض کیا :یارسول اللہ ﷺ کون؟ آپؐ نے فرمایا: ''جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ و مأمون نہ ہو۔''

ہمسایہ ہروقت کا ساتھی ہوتا ہے 'اگر اس کی طرف سے برا سلوک ہو رہا ہو تو زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس اگر ہمسائے آپس میں حسن سلوک کے ساتھ رہ رہے ہوتو دونوں کو چین اور سکون میسر ہو گا۔ وقت پڑنے پر ایک ہمسایہ دوسرے ہمسائے کا ہمدرد اور غمگسار ہوگا۔حقوق ہمسایہ کے بارے میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهٗ)) (متفق علیہ)

''جو شخص اللہ اوریومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اُس کے لیے لازم ہے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرے''۔

ہمسائے کی تکلیف اور آرام کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے ۔ایک حدیث میں آپ ﷺ

نے پڑوسی کے حقوق اس طرح بتائے ہیں:

((اِنْ مَرِضَ عُدْتَهٗ وَاِنْ مَاتَ شَيَّعْتَهٗ وَاِنِ اسْتَقْرَضَکَ اَقْرَضْتَهٗ وَاِنْ اَعْوَرَ سَتَرْتَهٗ وَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرٌ هَنَّأْتَهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ مُصِيْبَةٌ عَزَّيْتَهٗ ' وَلَا تَرْفَعْ بِنَائِکَ فَوْقَ بِنَائِهٖ فَتَسُدَّ عَلَيْهِ الرِّيْحَ ' وَلَا تُؤْذِيْهِ بِرِيْحِ قِدْرِکَ اِلَّا اَنْ تَغْرِفَ لَهٗ مِنْهَا)) (رواہ الطبرانی

فی الکبیر)

''اگر بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت اور خبر گیری کرو۔ انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائو۔ قرض مانگے تو قرض دو۔ اگر کوئی برا کام کر بیٹھے تو پردہ پوشی کرو۔ اگر اسے کوئی نعمت ملے تو اس کو مبارک باد دو۔ اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو تعزیت کرو۔ اپنی عمارت اس کی عمارت سے اس طرح بلند نہ کرو کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے۔ تمہاری ہانڈی کی مہک اس کے لیے باعث ایذا نہ ہو' اِلاّ یہ کہ اس میں سے تھوڑا سا اس کے گھر بھی بھیج دو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ ہمسائیگی کا معاملہ بڑا حساس ہے۔ اس لیے ایسی حرکت کبھی سرزد نہیں ہونی چاہیے جس سے ہمسائے کو اذیت پہنچتی ہو' بلکہ اس کے برعکس ہر وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہمسائے کو ہر ممکن طریقے سے نفع پہنچایا جائے۔ ہمسائے کے معاملہ میں جس قدر احتیاط ملحوظ خاطر رکھی جائے کم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا آمَنَ بِیْ مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَجَارُہٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِہٖ وَھُوَ یَعْلَمُ بِہٖ)) (رواہ البزار والطبرانی فی الکبیر)

''وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا (اور وہ میری جماعت میں نہیں ہے) جو ایسی حالت میں اپنا پیٹ بھر کر رات کو سو جائے کہ اس کے برابر رہنے والا پڑوسی بھوکا ہو اور اس آدمی کو اس کے بھوکا ہونے کی خبر بھی ہو۔''

(28)تکبر کا انجام

عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ' وَھُوَ عَلَی الْمِنْبَرِ:یَا اَیُّھَا النَّاسُ تَوَاضَعُوْا فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ ﷺ یَقُوْلُ:((مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللہُ فَھُوَ فِیْ نَفْسِہٖ صَغِیْرٌ وَفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ عَظِیْمٌ' وَمَنْ تَکَبَّرَ وَضَعَہُ اللہُ فَھُوَ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ صَغِیْرٌ وَفِیْ نَفْسِہٖ کَبِیْرٌ حَتّٰی لَھُوَ اَھْوَنُ عَلَیْھِمْ مِنْ کَلْبٍ اَوْ خِنْزِیْرٍ)) (۱)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن خطبہ میں برسر منبر فرمایا: لوگو! فروتنی اور خاکساری اختیار کرو' کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' آپؐ فرماتے تھے: ''جس نے اللہ کے لیے (یعنی اللہ کا حکم سمجھ کر اور اُس کی رضا حاصل کرنے کے لیے) خاکساری کا رویہ اختیار کیا (اور بندگان خدا کے مقابلہ میں اپنے آپ کو اونچا کرنے کے بجائے

نیچا رکھنے کی کوشش کی) تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرے گا‘جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ اپنے خیال اور اپنی نگاہ میں تو چھوٹا ہو گا‘ لیکن عام بندگانِ خدا کی نگاہوں میں اونچا ہو گا۔ اورجو کوئی تکبر اور بڑائی کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو نیچا گرا دے گا‘ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ عام لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل و حقیر ہو جائے گا۔ وہ اپنے خیال میں تو بڑا ہو گا‘ لیکن دوسروں کی نظر میں وہ کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہو جائے گا‘‘۔

انسان کا متکبرانہ رویہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں‘ بلکہ وہ عاجزی اور انکساری کو پسند کرتا ہے۔ تکبر انسان کو زیب ہی نہیں دیتا ‘کیونکہ وہ تو طرح طرح کی کمزوریوں کا مجموعہ ہے۔ کم ظرف انسان کو جب اللہ تعالیٰ کسی دنیاوی نعمت سے نوازتا ہے تو اُس کے اندر تکبر پیدا ہو جاتا ہے‘ جبکہ صالح انسان کو جوں جوں نعمتیں ملتی ہیں وہ تواضع اور انکساری اختیار کرتا چلا جاتا ہے اور منعم حقیقی کا شکر بجا لاتا ہے۔

تکبر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کی شان کے لائق ہے۔ صرف وہی متکبر ہے۔ اگر انسان تکبر کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ جس نعمت پر بھی اس کو ناز ہوتا ہے وہ ناپائیدار ہوتی ہے۔ پھر عارضی اور وقتی خوبی پر اترانا تو ذرا بھی عقل مندی نہیں۔ تکبر اور کبریائی تو صرف ذاتِ خداوندی

کو ہی سزاوار ہے‘ جو بے پایاں صفات کا مالک ہے اور اُس کی ہر صفت ذاتی او رپائیدار ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا جابجا تذکرہ ہے:

{وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ} (الجاثیۃ)

’’اور اُسی کے لیے کبریائی اور بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں۔ اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔‘‘

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آزری

انسان کو تو عاجزی ہی زیب دیتی ہے ۔وہ تو ہر چیز کے لیے اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ صحت وتندرستی‘ خوشحالی اور تونگری‘ عزت و عظمت غرضیکہ انسان کو ملنے والی ہر خوبی اللہ ہی کا عطیہ ہے۔ وہ جب چاہے اپنی نعمت واپس لے سکتا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ بڑے بڑے تنومند اور پہلوان آناًفاناً سوکھ کرتنکا ہو جاتے ہیں۔ عظمت کی بلندیوں کو چھونے والے چشم زدن میں بے وقعت ہو جاتے ہیں۔ دولت مند جس دولت پر اتراتے ہیں اسے جاتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔ پھر ان نعمتوں پر تکبر کیسا؟ اللہ تعالیٰ کے سامنے تو بندہ عاجز اور بے بس ہے۔ انسان کا عام طور پر بھی عاجزانہ رویہ ہی پسندیدہ ہے ۔اس کا طرزِ عمل عام لوگوں کے ساتھ تواضع اور انکساری کا ہوناچاہیے۔ اس حدیث

میں بتایا گیا ہے کہ جو شخص اللہ کی رضا کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عظمت اور شرف سے نوازتا ہے' جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بندہ جو اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے 'لوگوں کی نگاہوں میں وہ عظیم ہو جاتا ہے۔ لوگ اُس کی عزت و توقیر کرتے اور اس کا احترام بجا لاتے ہیں 'اس کی خوبیوں کا چرچا ہونے لگتا ہے اور وہ بندہ معاشرے میں ہر دلعزیز ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس جو شخص متکبرانہ رویہ اپناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو نیچے گرا دیتا ہے' پھر اُس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ وہ تو خود کو بڑا سمجھ رہا ہوتا ہے مگر لوگوں کی نگاہوں میں وہ چھوٹا اور ذلیل ہو جاتا ہے 'یہاں تک کہ لوگ اسے کتے اور خنزیر سے بھی بدتر سمجھنے لگتے ہیں۔

متواضع شخص چونکہ دوسروں کو حقیر نہیں سمجھتا' ہر ایک کو اچھا اور قابل احترام جانتا ہے' لہٰذا اس شخص کو ہر آدمی آزادانہ مل سکتا ہے 'وہ کسی کی پہنچ سے باہر نہیں ہوتا۔ اس کا ہر ملاقاتی اس سے

مل کر خوش ہوتا ہے 'کیونکہ وہ کسی کا دل نہیں دکھاتا اور کسی کو حقیر اور کمزور ہونے کا احساس نہیں دلاتا 'بلکہ اس کے سامنے خود کو چھوٹا ظاہر کرتا ہے ۔ متواضع شخص کا یہ رویہ اسے ہر دلعزیز بنا دیتا ہے۔ ایسا شخص کسی پر ظلم اور زیادتی نہیں کرتا۔ سب لوگ اُس سے امن میں ہوتے ہیں اور کوئی بھی اُس کی طرف سے کسی طرح کا خطرہ محسوس نہیں کرتا۔

اس کے برعکس متکبر آدمی خود کو بڑا سمجھتا ہے اور دوسروں کو اپنے سے کمتر اور حقیر جانتا ہے' جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اُس سے نفرت کرتے ہیں' اس کے ملاقاتی اُس سے ملتے وقت خوف زدہ ہوتے ہیں' وہ اپنی بڑائی ثابت کرنے کے لیے لوگوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کا رویہ روا رکھتا ہے۔ اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لیے اپنی تعریفیں کرتا' ڈینگیں مارتا اور خوبیاں بیان کرتا ہے۔ لوگ اس کی خود ستائی کو پسند نہیں کرتے' بلکہ اُس کے رعب وداب سے نفرت کرتے ہیں۔ اگرچہ کچھ لوگ مصلحتاً اُس کی بڑائی کو اس کے سامنے تسلیم کر لیتے ہیں 'مگر حقیقت میں وہ اس سے بیزار ہی ہوتے ہیں۔ ایسے شخص کے لیے دوسروں کے دل میں کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ ایسا آدمی خود کو دوسروں کے مقابلے میں بڑا سمجھ رہا ہوتا ہے 'مگر لوگوں کی نگاہوں میں اس کی کچھ عزت نہیں ہوتی' یہاں تک کہ لوگ اس سے اس قدر نفرت کرتے ہیں کہ اسے کتے اور خنزیر سے بھی بدتر سمجھتے ہیں۔

تکبر رذائل اخلاق میں سے ایک بہت بڑی برائی ہے 'جبکہ تواضع و انکساری فضائلِ اخلاق میں سے ایک نمایاں صفت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عظمت کی معراج پر ہونے کے باوجود انتہائی متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ آپؐ سید ولد آدم تھے 'مگر آپؐ' کو یہ پسند نہیں تھا کہ جب آپ داخل ہو تو دوسرے آپؐ کے سامنے اٹھ کر کھڑے ہو جائیں۔ آپؐ اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اس طرح گھل مل کر بیٹھتے کہ باہر سے آنے والا معلوم

نہ کر سکتا کہ مجلس میں اللہ کے رسول ﷺ کون ہیں۔ ایک بار صحابہؓ نے گزارش کی کہ آپؐ کے لیے خصوصی نشست کا اہتمام کر دیں، مگر آپؐ نے اجازت نہ دی۔ آپؐ کی یہ انکساری اللہ کی رضا کے لیے تھی اور اللہ نے آپ کو مقامِ محمود تک بلند کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی انسانوں کے لیے اُسوۂ حسنہ ہے۔ چنانچہ افراد اُمت کے لیے بھی عاجزانہ اور انکساری کا رویہ ہی پسندیدہ ہے۔

سب سے پہلا متکبر ابلیس تھا جو تکبر کی وجہ سے ملعون ٹھہرا: ؎

تکبر عزازیل را خوار کرد
بہ زندانِ لعنت گرفتار کرد

کسی شخص کو زیب نہیں دیتا کہ وہ ابلیس کی پیروی کرتا ہوا تکبر کرے اور ذلت کی گہرائی میں گر جائے۔ تکبر کی برائی میں رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ بہت کافی ہیں:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ)) (صحیح مسلم)

''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا''۔

معاشرے میں مالک اور نوکر، آقا و غلام، افسر اور ماتحت، دینے والا اور سوالی اگرچہ دنیاوی مرتبے کے اعتبار سے برابر نہیں ہیں، مگر اولادِ آدم ہونے کے اعتبار سے تو برابر ہیں۔ اس لیے مالک اپنے نوکر کو، آقا اپنے غلام کو اور افسر اپنے ماتحت کو حقیر نہ جانے اور نہ اس کو ذلیل اور رسوا سمجھے، کیونکہ کیا معلوم کہ یہ چھوٹے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان بڑوں سے زیادہ عزت والے ہوں۔

اللہ اور اس کے رسول کے حکموں کو نہ ماننا اور اس کے مقابلہ میں اپنے نفس کی خواہشات پر عمل کرنا سب سے بڑا تکبر ہے۔ ایسا کرنے سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ اللہ کے حکم کو کمتر اور اپنی خواہش نفس کو برتر سمجھا جا رہا ہے اور یہ بدترین ظلم ہے۔

(29) نبی اکرم ﷺ کی تین وصیتیں

نبی اکرم ﷺ نے اپنی اُمت کو مختلف مواقع پر مختلف وصیتیں کی ہیں۔ ذیل میں ایک حدیث کی رو سے آپ ﷺ کی تین نہایت اہم وصیتیں بیان کی جا رہی ہیں:

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ:((اَنْ لاَ تُشْرِکْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَاِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُکْ صَلَاۃً مَکْتُوْبَۃً مُتَعَمِّدًا ، فَمَنْ تَرَکَھَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْہُ الذِّمَّۃُ،وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّھَا مِفْتَاحُ کُلِّ شَرٍّ))(سنن ابن ماجہ،کتاب الفتن، باب الصبر علی البلاء)

''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے خلیل و محبوب ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ: '' اللہ کے ساتھ کبھی کسی چیز کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہارے ٹکڑے کر دیے جائیں اور تمہیں آگ میں بھون دیا جائے، اور خبردار! کبھی بالارادہ فرض نماز نہ چھوڑنا، کیونکہ جس نے دیدہ و دانستہ اور عمداً فرض نماز چھوڑ دی تو اس کے بارے میں ذمہ داری ختم ہو گئی (جو اللہ کی طرف سے اس کے وفادار اور صاحب ایمان بندوں کے لیے ہے)، اور خبردار! شراب کبھی نہ پینا، کیونکہ یہ ہر برائی کی کنجی ہے''۔

حدیث کے راوی حضرت ابوالدرداء عویمر انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو اپنا خلیل کہہ کر کس قدر محبت اور پیار کے تعلق کا اظہار کر رہے ہیں! یہ وہی ابوالدرداء ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے معرکۂ اُحد میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے دیکھا تو تعریف کی اور فرمایا کہ عویمر کس قدر اچھے سوار ہیں! ابوالدرداءؓ جنگ بدر کے بعد پورے شرحِ صدر کے ساتھ اسلام لائے، پھر اپنے وقت کا بیشتر حصہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں گزارتے رہے۔

اس حدیث میں آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کی ایک نصیحت کے الفاظ بیان کیے ہیں جن میں آپ ﷺ نے تین باتوں سے رکنے کی تاکید کی ہے۔ پہلی بات آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ شرک نہ کرنا خواہ تمہارا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا آگ میں جلا ڈالا جائے۔ شرک بدترین گناہ ہے۔ یہ خالق کائنات کی اتھارٹی کو چیلنج ہے۔ یہ واحد گناہ ہے جس کے مرتکب کی قیامت کے دن نجات نہیں۔ قرآن مجید میں اس کو کئی جگہ پر ناقابل بخشش گناہ قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ المائدۃ میں ارشادِ الٰہی ہے :{ اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰہُ النَّارُ ط} (آیت ۷۲) ''بے شک جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا تو اللہ نے اس پر جنت کو حرام کردیا ہے اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے''۔ پس ہر مسلمان کی اوّلین ذمہ داری ہے کہ وہ شرک سے دُور رہے، مخلوق میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں شریک نہ کرے۔ اللہ کی ہر صفت لامحدود ہے۔ وہ مخلوق کے کسی فرد کو لامحدود صفات کے ساتھ متصف نہ کرے، ہر قسم کے مراسم عبودیت اُسی کے لیے خاص کرے، اسی کا تقویٰ اختیار کرے اور اسی پر توکل کرے۔ اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے مخلوق کے کسی فرد کی اطاعت نہ کرے۔ اُسی کی عبادت کرے اور اسی سے مدد چاہے۔

دوسری نصیحت رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کو یہ فرمائی کہ فرض نماز عمداً کبھی نہ چھوڑنا،

کیونکہ جس نے دیدہ ودانستہ فرض نماز چھوڑی وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری سے نکل گیا۔ نماز مؤمن کی نشانی اور علامت ہے۔ گویا مسلمان نماز کی ادائیگی سے پہچانا جاتا ہے ۔ ترمذی شریف میں ہے کہ اصحابِ رسولؐ نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کرنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ (مشکوٰۃ' کتاب الصلوٰۃ) پنج گانہ نماز کی پابندی گناہوں کی معافی کا سبب ہے۔ قرآن مجید کے مطابق نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے بچاتی ہے۔ نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کو بھی نماز کی تلقین کریں اور خود بھی اس کی پابندی کریں:{وَ اۡمُرۡ اَہۡلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَ اصۡطَبِرۡ عَلَیۡہَا} (طٰہٰ:۱۳۲) ''اور (اے نبیؐ!) حکم دیں اپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود بھی اس پر قائم رہیں۔''نماز کا چھوڑنا آدمی کو شرک کی طرف لے جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:{وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ لَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۳۱﴾} (الروم) ''اور نماز قائم کرو اور مشرکوں میں شامل نہ ہو جائو۔''

سورۃ المدثر میں ہے کہ جنت والے دوزخیوں سے پوچھیں گے کہ کون سی چیز تمہیں دوزخ میں لے گئی؟ وہ جواب میں پہلا سبب یہ بیان کریں گے کہ: {لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ} ''ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے''۔ نماز کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے: ((جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ)) (سنن النسائی) ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے''۔ گویا نماز رسول اللہ ﷺ کا پسندیدہ عمل ہے۔ چنانچہ ہر سچا اُمتی بھی نماز کو محبوب رکھے گا اور اس کی پابندی کرے گا۔ آپؐ نے خود ساری زندگی نماز کی پابندی کی ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ ' فَمَنْ تَرَكَ فَقَدْ كَفَرَ)) (سنن الترمذی)

''ہمارے اور اِن (منافقوں) کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے 'پس جس نے نماز کو چھوڑ دیا وہ کافر ہو گیا۔''

الغرض نماز کو چھوڑنے سے انسان اپنے خالق کا باغی اور نافرمان قرار پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو نماز کی تاکید کی 'اور فرمایا کہ نماز نہ پڑھنے سے انسان اللہ کی ذمہ داری سے نکل جاتا ہے۔ تو جس شخص کو اللہ تعالیٰ کے ہاں پناہ نہ ملی اُس کو اور کون سا سہارا مل سکتا ہے؟

تیسری نصیحت جو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو الدرداءؓ کو فرمائی وہ یہ ہے کہ کبھی شراب نہ

پینا 'کیونکہ یہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ شراب کو اُمّ الخبائث بھی کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی حرمت ان الفاظ میں آئی ہے:

{یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَ الۡمَیۡسِرُ وَ الۡاَنۡصَابُ وَ الۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡهُ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۹۰﴾} (المائدۃ)

''اے اہل ایمان ! یقینا شراب' اور جوا' اور بُت اور جوئے کے تیر یہ سب گندے کام شیطان کے ہیں۔ سو تم ان سے بچو تاکہ تم فلاح پائو۔''

شراب نوشی صرف ایک گناہ نہیں ہے' بلکہ یہ بہت سے گناہوں کا باعث بنتی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے شراب کی برائی کو واضح فرماتے ہوئے اس سے متعلق تمام لوگوں پر لعنت فرمائی ہے ۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِی الْخَمْرِ عَشْرَةً : عَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةُ اِلَیْهِ وَسَاقِیَهَا وَبَائِعَهَا وَآكِلَ ثَمَنِهَا وَالْمُشْتَرِیَ لَهَا وَالْمُشْتَرَاهُ لَهٗ (سنن الترمذی)

''رسول اللہ ﷺ نے شراب کے معاملہ میں دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے : (۱)شراب کشید کرنے والا (۲) شراب کشید کرانے والا(۳) شراب پینے والا (۴)شراب اٹھانے والا(۵)شراب اٹھوانے والا (٦) شراب پلانے والا (۷)شراب بیچنے والا (۸)شراب کی قیمت کھانے والا(۹) شراب خریدنے والا (۱۰) جس کے لیے شراب خریدی گئی ہو۔''

بنیادی طور پر شراب نشہ آور ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور نشہ انسان کے حواس کو مختل کر کے اسے انسانیت سے گرا کر حیوانیت کی سطح پر لے آتا ہے جس سے اس میں اچھائی اور برائی میں تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ اسی لیے صرف شراب ہی نہیں بلکہ ہر نشہ آور چیز اسلام میں حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((مَا اَسْكَرَ كَثِیْرُهٗ فَقَلِیْلُهٗ حَرَامٌ)) (سنن الترمذی)

''جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے شراب کے عادی کو بُت پرست کی مانند شمار کیا ہے۔ حضرت طارق بن سوید رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے شراب نوشی کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے انہیں شراب سے منع فرمایا۔ اس پر سائل نے کہا کہ ہم تو شراب کو دوا کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

((اِنَّهٗ لَیْسَ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهٗ دَاءٌ)) (صحیح مسلم)

''یہ دوا نہیں' بلکہ (خود ایک)بیماری ہے۔''

شراب کی حرمت میں رسول اللہ ﷺ سے بہت سی احادیث روایت کی گئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن

عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں نہ تو وہ شخص داخل ہوگا جو والدین کی نافرمانی کرتا ہے 'نہ جواری' نہ فقراء کو صدقہ دے کر جتانے والا اور نہ شراب پینے والا''۔ (سنن دارمی' بحوالہ ریاض المسلمین' ص ۸۰۸)

الغرض اس حدیث مبنی اکرم ﷺ نے شرک سے انتہائی زوردار الفاظ میں روکا ہے' کیونکہ شرک ناقابل بخشش گناہ ہے۔ پھر آپؐ نے نماز کی تاکید کی ہے کہ نماز مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرتی ہے۔ پھر آپؐ نے شراب پینے سے منع کیا ہے کہ یہ بہت سی برائیوں کا سبب بنتی ہے۔

(30) نماز گناہوں کی معافی اور تطہیر کا ذریعہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَرَأَیْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهَرًا بِبَابِ اَحَدِکُمْ یَغْتَسِلُ فِیْهِ کُلَّ یَوْمٍ خَمْسًا مَا تَقُوْلُ ذٰلِکَ یُبْقِیْ مِنْ دَرَنِهٖ؟)) قَالُوْا لَا یُبْقِیْ مِنْ دَرَنِهٖ شَیْئًا' قَالَ : ((فَذٰلِکَ مِثْلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ' یَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَایَا)) (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ارشاد فرمایا: ''بتلائو' اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر جاری ہو جس میں روزانہ پانچ دفعہ وہ نہاتا ہو' تو کیا اُس کے جسم پر کچھ میل کچیل باقی رہے گا؟'' صحابہ نے عرض کیا کہ کچھ میل بھی باقی نہیں رہے گا' تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''بالکل یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے' اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے خطائوں کو دھوتا اور مٹاتا ہے۔''

پنج گانہ نماز ارکان اسلام میں سے ہے۔ ہر آسمانی شریعت میں ایمان کے بعد پہلا حکم نماز ہی کا رہا ہے۔ شریعتِ محمدیؐ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بھی اس کی امتیازی حیثیت ہے۔ کفر اور اسلام کے درمیان نماز کا فرق ہے۔ ارکانِ اسلام مؤمن کے اخلاق و کردار کو

مضبوط بنیادوں پر استوار کرتے ہیں۔ روزہ اگر پورے آداب کے ساتھ رکھا جائے تو جھوٹ' غیبت اور دیگر فضول' ناپسندیدہ افعال سے روکتا ہے۔ صبر اور ثابت قدمی پیدا کرتا ہے۔ زکوٰۃ مال کی محبت میں وارفتہ نہیں ہونے دیتی۔ مفلسوں اور ناداروں کی ضروریات پوری کرنے کا اچھا جذبہ بیدار کرتی ہے۔ اسی طرح نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے:{اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ} (العنکبوت:۴۵) ''بے شک نماز بے حیائی اور منکرات سے روکتی ہے''۔ گویا ارکان اسلام کے ذریعے انسان کو فضائل اخلاق سے آراستہ

لیا جاتا ہے۔تاہم انسان جس قدر بھی نیک اور تقویٰ شعار ہو جائے بشری تقاضوں کے تحت اُس سے گناہ اور برائی کا سرزد ہونا ناگزیر ہے جس پر گرفت ہو سکتی ہے۔ مگر رحیم و غفور مالک نے اپنے بندوں کی بخشش کے لیے کئی انداز اختیار کیے ہیں' اور نماز بھی گناہوں کی معافی اور تطہیر قلب کا ایک ذریعہ ہے۔

زیر درس حدیث میں بڑے حکیمانہ انداز میں نماز کے اثرات کو واضح کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص ایک دن میں پانچ مرتبہ غسل کرے گا اس کے جسم پر میل کچیل کیسے رہ سکتی ہے! ہر دفعہ کے نہانے میں کچھ وقفہ تو ہو گا' چنانچہ اس وقفے میں انسان کے جسم پر جو بھی گرد و غبار پڑجائے گا وہ اگلی دفعہ کے غسل سے دُور ہو جائے گا۔ اس طرح ہر دفعہ کا غسل گرد و غبار کو دور کرتا رہے گا اور دن کے آخر میں اُس شخص پر کسی طرح کی میل کچیل نہ رہے گی۔ یہ مثال دے کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچوں نمازوں کی مثال بالکل اسی طرح ہے کہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ خطاؤں کو معاف فرماتے ہیں۔ پس ہر مسلمان کو اپنی خطاؤں' لغزشوں' کوتاہیوں اور گناہوں کی بخشش کے لیے نماز پنج گانہ جملہ شرائط و آداب کے ساتھ پابندی سے ادا کرنی چاہیے۔ نماز کے بارے میں قرآن مجید میں بار بار تاکید آئی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے نماز کو مسلمان کی علامت قرار دیا ہے' اور فرمایا ہے کہ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کفر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحابِ کرام نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔

نماز کی ادائیگی کے لیے وضو شرط ہے اور وضو کے پانی کے ساتھ بھی انسان کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْئَ خَرَجَتْ خَطَایَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰی تَخْرُجَ

مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِهٖ)) (صحیح مسلم)

''جس شخص نے وضو کیا' اور خوب اچھی طرح وضو کیا' تو اُس کے سارے گناہ نکل جائیں گے یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی۔''

اس حدیث کی تائید میں ایک واقعہ بھی ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ سردی کے ایام میں باہر تشریف لے گئے اور درختوں کے پتے (خزاں کی وجہ سے) خود بخود جھڑ رہے تھے۔ آپؐ نے ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو پکڑا (اور ہلایا) تو ایک دم پتے جھڑنے لگے۔ حضرت ابوذرؓ آپ کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا: ''جب مؤمن بندہ خالص اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ان پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں''۔ (مسند احمد)

ہر مؤمن کے لیے لازم ہے کہ وہ بڑے بڑے گناہوں سے باز رہے اور چھوٹے چھوٹے گناہوں کی بخشش کی اُمید رکھے اور پورے خلوص اور پابندی کے ساتھ نماز ادا کرتا رہے۔ حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو مسلمان فرض نماز کا وقت آنے پر اس کے لیے اچھی طرح وضو کرے اور پھر خشوع و خضوع کے ساتھ اچھی طرح رکوع اور سجود کے ساتھ نماز ادا کرے تو وہ نماز اس کے واسطے پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی جب تک وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہوا ہو' اور نماز کی یہ برکت اس کو ہمیشہ ہمیشہ حاصل ہوتی رہے گی''۔ (صحیح مسلم)

کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج اُمت کی ایک بڑی تعداد نماز سے غافل اور بے پروا ہو کر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو رہی ہے! ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ نماز کی پابندی کرے اور اپنے اہل و عیال کو اس کی تاکید کرے 'کیونکہ نماز چھوڑنے والوں کا حشر قیامت میں قارون' فرعون' ہامان اور اُبی بن خلف کے ساتھ ہو گا۔ مسند احمد و شعب الایمان للبیھقی۔ اللہ تعالیٰ اپنے غضب سے ہمیں محفوظ رکھے۔

(31)اوصافِ مسلم

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : ((مَنْ یَاْخُذُ عَنِّیْ هٰؤُلَاءِ الْکَلِمَاتِ فَیَعْمَلُ بِهِنَّ اَوْ یُعَلِّمُ مَنْ یَّعْمَلُ بِهِنَّ)) قُلْتُ: اَنَا یَارَسُوْلَ اللهِ'

فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَعَدَّ خَمْسًا فَقَالَ : ((اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ' وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللهُ لَکَ تَکُنْ اَغْنَی النَّاسِ' وَاَحْسِنْ اِلٰی جَارِکَ تَکُنْ مُؤْمِنًا' وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِکَ تَکُنْ مُسْلِمًا' وَلَا تُکْثِرِ الضِّحْکَ فَاِنَّ کَثْرَةَ الضِّحْکِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ)) (رواه الترمذی و احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن ہم لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا: ''کون ہے جو مجھ سے سیکھ لے یہ چند خاص باتیں' پھر وہ خود ان پر عمل کرے یا دوسرے عمل کرنے والوں کو بتائے؟'' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں۔ تو آپؐ نے (ازراہِ شفقت) میرا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے لیا' اور گن کر یہ پانچ باتیں بتائیں۔ فرمایا: ''جو چیزیں اللہ نے حرام قرار دی ہیں ان سے بچو اور ان سے پورا پورا پرہیز کرو' اگر تم نے ایسا کیا تو تم سب سے زیادہ عبادت گزار ہوجاؤ گے' (اور یہ عبادت نفلی عبادت کی

کثرت سے افضل ہے) اور اللہ نے جو تمہاری قسمت میں لکھا ہے اس پر راضی اور مطمئن ہو جائو' اگر ایسا کرو گے تو تم سب سے زیادہ بے نیاز اور دولت مند ہو جائو گے۔ اور (تیسری بات یہ کہ) اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو' اگر ایسا کرو گے تو تم مؤمن کامل ہو جائو گے۔ اور جو تم اپنے لیے چاہتے اور پسند کرتے ہو وہی دوسرے لوگوں کے لیے بھی چاہو اور پسند کرو' اگر تم ایسا کروگے تو حقیقی اور پکے مسلمان ہو جائو گے۔ اور (پانچویں بات یہ ہے کہ) زیادہ مت ہنسا کرو 'کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تیس سال کی عمر میں اُس وقت ایمان لائے جب رسول اللہ ﷺ خیبر میں تھے۔ اگرچہ انہیں آپؐ 'کی صرف تین چار سال کی رفاقت ملی 'مگر وہ ایمان لانے کے بعد سایہ کی طرح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے۔ وہ کثیر الروایات صحابہ میں سے ہیں۔ ان کی روایات کی مجموعی تعداد پانچ ہزار سے زیادہ ہے۔ بعض لوگوں کو یہ بات حیرت میں ڈال دیتی ہے کہ ابوہریرہؓ کی روایات ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کئی گنا زیادہ ہیں جن کی آپؐ کے ساتھ رفاقت پندرہ بیس سال پر محیط ہے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے آپؐ کے سامنے نسیان کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا: ''چادر پھیلائو''

میں نے چادر پھیلا دی۔ آپؐ نے اس چادر میں دونوں ہاتھ ڈال دیے' پھر فرمایا: ''اسے اپنے سینے سے لگا لو'' چنانچہ میںنے اسے سینے سے لگا لیا۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں پھر اس کے بعد میں کبھی نہیں بھولا۔ (بخاری)

اس طرح ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی کہ اے اللہ مجھے ایسا علم عطا فرما جو فراموش نہ ہو ۔ اُن کی اس دعا پر رسول اللہ ﷺ نے آمین کہی (تہذیب التہذیب) ۔یہی وجہ ہے کہ آپ ؓ کو اپنے حافظے پر اس قدر بھروسہ ہو گیا تھا کہ آپؓ حدیث بیان کرنے میں متردّد نہ ہوتے تھے اور تأمل نہ کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ قبیلے کی بکریاں چراتے تھے اور ایک بلی اپنے ساتھ رکھتے تھے 'اس وجہ سے ابوہریرہ (بلی کا باپ) مشہور ہوئے' اگرچہ ان کا اصل نام عبدالرحمن بن صخر تھا۔

اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حاضرین کے سامنے چند باتیں بتانے کا ارادہ کیا اور اُن کو پوری طرح متوجہ کرنے کے لیے فرمایا کہ کون ان کو سیکھنا چاہتا ہے جو خود بھی ان پر عمل کرے اور دوسروں کو بھی ان کی تعلیم دے؟ اس پر جب حضرت ابوہریرہؓ نے اپنے آپ کو پیش کیا تو آپ ﷺ نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور پانچ باتیں ارشاد فرمائیں۔

ان میں پہلی بات یہ تھی کہ تم حرام اور ناجائز کاموں کے قریب نہ جائو تو سب لوگوں سے بڑھ کر عبادت گزار بن جائو گے۔ تقویٰ نیک اعمال کا سرچشمہ ہے۔ جو شخص اللہ کی رضا جوئی کے لیے ممنوعات سے بچتا ہے گویا وہ سب سے بڑا عبادت گزار ہے 'کیونکہ عبادت نام ہے مکمل غلامی کا' اور غلام وہ ہے جو آقا کا فرماں بردار ہو۔ پس جو

شخص ہمہ وقت اللہ کے خوف سے حرام چیزوں سے اجتناب کرے گا وہی تو سچا عبد ہے۔ کیونکہ عبادت صرف نماز روزے کا نام نہیں بلکہ یہ تو ایک رویہ ہے جو انسان کی پوری زندگی پر محیط ہونا چاہیے۔

دوسری بات رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی کہ اللہ نے جو کچھ تمہاری قسمت میں لکھ دیا ہے اُس پر راضی اور مطمئن ہو جائو تو تم سب سے بڑے غنی ہو جائو گے۔ حدیث میں آتا ہے :

((اَلْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ)) (صحیح البخاری)

''دولت مندی تو دل کی دولت مندی ہے۔''

پس جس کا دل اس بات پر مطمئن ہو گیا کہ جس حال میں اسے اللہ نے رکھا ہے ٹھیک ہے تو وہ

سب سے بڑا غنی ہے۔ وہ مانگے گا تو اللہ سے مانگے گا ،کسی دوسرے کے آگے دست سوال دراز کرنے کی ذلت برداشت نہیں کرے گا۔ جو آدمی اللہ کے دیے پر مطمئن نہیں اور کثرت کی خواہش نے اس کا سکون اور چین چھین رکھا ہے ،اگر وہ ڈھیروں سونے چاندی کا مالک ہے تو پھر بھی مفلس ہے ۔اسی لیے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے دیے پر راضی اور مطمئن ہے وہ سب سے بڑا غنی ہے۔

تیسری بات جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ اپنے ہمسائے کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے تو مؤمن بن جائو گے۔ ہمسایہ ہر وقت کا ساتھی ہے۔ اُس کے ساتھ حسن سلوک انسان کی اولین ذمہ داری ہے۔اگر ہمسائے کے ساتھ تعلقات اچھے نہ ہوں گے تو ہر وقت کی پریشانی ہو گی۔ زندگی آسودہ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمسائے کے ساتھ تعلقات خوشگوار ہوں۔یہاں ہمسائے کے ساتھ حسن سلوک کو ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ ایک دفعہ آپؐ نے تین مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ وہ شخص ایمان والا نہیں جس کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہیں۔ ہمسائے کے حقوق کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اتنا زور دیا کہ مجھے محسوس ہونے لگا کہ شاید ہمسائے کو وراثت میں حق دار بنا دیا جائے گا۔ پس ہمسائے کے ساتھ حسن سلوک جہاں دنیاوی طور پر امن و سکون کا باعث ہے وہاں ایمان کی علامت بھی ہے۔

چوتھی بات جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ تم دوسرے کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو' اس طرح تم مسلم ہو جائو گے۔ ظاہر ہے کوئی شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ اسے تکلیف ہو 'وہ ستایا جائے یا اسے نقصان پہنچے۔ اگر ہر شخص دوسروں کے لیے بھی ایسے ہی جذبات رکھے تو واقعی دنیا جنت نظیر بن جائے' کیونکہ ہر شخص خود کو محفوظ اور مأمون محسوس کرے گا۔ اس بات کو رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بھی فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔یہ الفاظ تو مختصر ہیں مگر ان کی

جامعیت کا اندازہ لگایئے کہ اس طرزِ عمل سے پورا مسلمان معاشرہ امن کا گہوارہ بن جائے گا' جرائم اور بدعنوانی کی تمام صورتیں ختم ہو جائیں گی' کیونکہ ہر برائی دوسروں کے لیے نقصان کا باعث اور حقوق کی تلفی کا سبب ہوتی ہے۔

پانچویں بات جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ زیادہ ہنسا نہ کرو' کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔ دل مردہ ہو تو احساس زیاں جاتا رہتا ہے۔ اسلام تو دین وسط ہے 'یہ درمیانی چال کو پسند کرتا ہے۔ خوشی کا موقع ہو تو انسان اس قدر بے باک نہ ہو جائے کہ بُرا وقت آنے کا احساس ہی ختم ہو جائے۔ اسی طرح اگر کوئی صدمہ پہنچے تو وہاں صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ قہقہے تو وہی شخص لگائے گا جو فکر فردا سے بیگانہ ہو۔ جس شخص کے ذہن میں یہ چیز مستحضر رہے کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں 'کیا پتا موت کا وقت کب آ جائے' وہ غفلت کا شکار کیسے ہو سکتا ہے ! موت تو اچانک بھی آ سکتی ہے' اگر اس بات کا احساس ہو تو قہقہے لگانا کس کو سوجھتے ہیں ! رسول اللہ ﷺ محبوبِ خدا اور خیر الخلائق تھے 'آپؐ نے کبھی کبھی تبسم فرمایا ہے مگر کھل کھلا کر کبھی نہیں ہنسے۔ زیادہ ہنسنا غفلت اور بے خوفی کی علامت ہے' جس سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ مگر دل کی تو زندگی مطلوب ہے تاکہ موت آئے تو اس حال میں کہ دل اور ضمیر زندہ ہو 'جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: {وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلاَّ وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ} (آل عمران) ''تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔''

نصیحت کی یہ پانچ باتیں حکمت کا خزانہ ہیں۔ ان پر خود عمل کرنا اور دوسروں کو ان کی تبلیغ کرنا ہر مسلمان کا مشن ہونا چاہیے 'تاکہ معاشرے میں امن و سکون کا دور دورہ ہو' دنیا کی زندگی بھی اطمینان سے گزرے اور اگلی زندگی کے لیے بھی اچھے اعمال ذخیرہ ہو جائیں۔

(32) عظیم ترین گناہ

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ ﷺ عَنِ الْکَبَائِرِ' قَالَ: ((اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَشَھَادَۃُ الزُّوْرِ)) (متفق علیہ)

(صحیح البخاری' کتاب الشھادات' باب ما قیل فی شھادۃ الزور۔وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان الکبائر واکبرھا۔ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں اور صحیح مسلم میں قتل نفس کو چھوڑ کر باقی تین گناہوں کا ذکر ہے۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کبیرہ (یعنی بڑے بڑے)

گناہوں کے بارے میں دریافت کیا گیا (کہ وہ کون کون سے گناہ ہیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''خدا کے ساتھ شرک کرنا' ماں باپ کی نافرمانی و ایذا رسانی' کسی بندے کو (ناحق) قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔''

رسول اللہ ﷺ سے جب بڑے بڑے گناہوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو جواب میں آپؐ نے یہاں چار گناہ بتائے ہیں' جن میں اوّل اللہ کے ساتھ شرک ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں بے مثل ہے' اس کا کوئی ثانی نہیں' وہی ہے جو کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ اُسی کی مشیت ہر آن کارفرما ہے۔ رزق کی فراہمی' اولاد کا عطا کرنا وغیرہ سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہی عالم الغیب ہے' وہی لوگوں کی مشکلات دور کرنے والا ہے' صحت اور بیماری اسی کی طرف سے ہے' وہی معبود یکتا ہے۔ توحید باری تعالیٰ اس قدر واضح اور نمایاں ہے کہ اس کا انکار ممکن نہیں۔ اس کے باوجود جو شخص خدائی صفات کو مخلوق کے کسی فرد میں مان لے یا اللہ کی کسی صفت کو محدود تسلیم کرے تو گویا اس نے شرک کیا ۔ مراسمِ عبودیت صرف اللہ کے لیے ہیں۔ صرف وہی معبود ہے۔ کائنات کا ہر فرد خواہ وہ جن ہو' یا فرشتہ ہو' یا انسان ہو اللہ کا محتاج اور اس کا بندہ ہے ۔ آپ ﷺ نے شرک کو اوّل درجہ کا گناہ کبیرہ بتایا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف اس ایک گناہ کو ناقابل بخشش قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

{اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدِ افۡتَرٰۤی اِثۡمًا عَظِیۡمًا ﴿۴۸﴾}(النساء)

''یقیناً اللہ تعالیٰ اِس گناہ کو تو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اُس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کے لیے چاہے گا معاف فرما دے گا۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کا شریک مقرر کیا تو اُس نے تو بڑا بہتان' باندھا''۔

شرک کو اکبر الکبائر بھی کہا گیا ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شرک صرف بُت پرستی کا نام ہے' حالانکہ شرک وہ گناہ ہے جس کا ارتکاب اہل ایمان سے بھی ممکن ہے کہ وہ عقیدت میں غلو سے کام لیتے ہوئے انبیاء و اولیاء کے اوصاف بیان کرتے ہوئے انہیں اللہ کی صفات کے ساتھ متصف کر دیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

{وَ مَا یُؤۡمِنُ اَکۡثَرُہُمۡ بِاللّٰہِ اِلَّا وَ ہُمۡ مُّشۡرِکُوۡنَ ﴿۱۰۶﴾}(یوسف)

''اور اُن میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ شرک بھی کرتے ہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ جب کسی نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ الفاظ کہے کہ : مَاشَاءَ اللّٰہُ وَشِئْتَ ''جو اللہ چاہے اور آپؐ چاہیں۔'' تو آپ ﷺ نے ٹوک دیا اور فرمایا: ((اَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا؟ قُلْ مَا شَاءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ)) (مسند احمد و مدارج

السالکین لابن قیم ۱/۶۰۲۔ مسند احمد میں "نِدًّا" کے بجائے "عَدْلاً" کا لفظ ہے۔) ''تم نے مجھے اللہ کا شریک ٹھہرا دیا؟ صرف یہ کہو کہ جو اللہ وحدہٗ چاہے!''

خوشی کے ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں چھوٹی بچیاں دَف بجاتے ہوئے غزوۂ بدر میں شہید ہونے والے اپنے بزرگوں کو خراجِ تحسین پیش کر رہی تھیں کہ ایک بچی نے یہ کہا: وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ ''اور ہمارے درمیان وہ نبیؐ ہیں جو کل کی خبر رکھتے ہیں'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا تَقُوْلِيْ هٰكَذَا وَقُوْلِيْ مَا كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ)) (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب شھود الملائکۃ بدرا۔ ومتعدد دیگر مقامات۔) ''یہ بات مت کہو، اور جو بات تم کہہ رہی تھی وہی کہو''۔

زیر درس حدیث میں کبیرہ گناہوں کے تذکرے میں رسول اللہ ﷺ نے جس دوسرے گناہ کا ذکر کیا ہے وہ ماں باپ کی نافرمانی اور حق تلفی ہے۔ ماں باپ اولاد کی انتہائی شفقت اور محبت کے ساتھ پرورش کرتے ہیں۔ اُن کی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل میں لگے رہتے ہیں۔ خود تکلیف برداشت کر لیتے ہیں مگر اولاد کو مشقت میں نہیں پڑنے دیتے۔ لہٰذا اخلاق کا تقاضا ہے کہ ایسے محسنوں کے احسان کا بدلہ چکانے کے لیے اولاد ہمہ تن فرمانبرداری کا رویہ اختیار کرے۔ انہیں کسی بھی طور ناراض نہ کرے، نہ اُن کا دل دکھائے اور نہ تکلیف دے۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے بوڑھے ماں باپ کے ساتھ اونچی آواز اور تلخ لہجے میں بات نہ کریں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾} (بنی اسراءیل)

''پس اِن دونوں کو اُف تک نہ کہو اور نہ ہی ان کو جھڑکو، بلکہ ان کے ساتھ نرمی سے بات کرو''۔

آگے فرمایا گیا کہ ان کے لیے اپنے پروردگار سے رحم کی درخواست کیا کرو:

{وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾} (بنی اسراءیل)

''اور کہو اے میرے پروردگار! ان پر رحم فرما جیسے کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا۔''

اس ضمن میں یہاں تک ہدایت کی گئی ہے کہ اگر والدین کافر اور مشرک ہوں اور تمہیں شرک پر مجبور کریں تو بھی تم دنیا میں اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ ارشادِ الٰہی ہے:

{وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا } (لقمٰن:۱۵)

''اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک کرے جس کا تیرے پاس کوئی علم نہیں (کوئی سند نہیں) تو ان کی اطاعت ہرگز نہ کر، البتہ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔''

قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور شرک سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں ساتھ ہی

والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بھی تاکید کی گئی ہے' اور یہ مضمون قرآن مجید میں ایک سے زیادہ مرتبہ آیا ہے۔ ایک جگہ ارشادِ الٰہی ہے:

{وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا} (النساء:٣٦)

''اور اللہ کی عبادت کرو 'اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائو اور والدین سے اچھا سلوک کیا کرو''۔

ایک اور جگہ فرمایا گیا:

{لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۫ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا} (البقرۃ:٨٣)

''(بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا تھا کہ) تم لوگ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک رکھو گے''۔

اگر کسی کو عقلِ سلیم کی دولت سے نوازا گیا ہے تو وہ یقینا اپنے محسن کے ساتھ احسان و مروّت اور نیک سلوک کرے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان روایت کرتے ہیں کہ:

((رِضَى الرَّبِّ فِيْ رِضَى الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِيْ سَخَطِ الْوَالِدِ)) (سنن الترمذی)

''باپ کی رضا میں اللہ کی رضا ہے اور باپ کے غصہ میں اللہ کی ناراضگی ہے''۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ)) (مختصر المقاصد للزرقانی: ٣٤٨۔ وضعیف الجامع الصغیر للالبانی:٢٦٦٦۔)

''جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔''

گویا ماں باپ کی خدمت' اطاعت اور خیر خواہی نہایت ضروری ہے اور ان کو ناراض کرنا اور اذیت پہنچانا گناہِ کبیرہ ہے۔

زیر درس حدیث کی رو سے تیسرا بڑا گناہ قتل ناحق ہے۔جس کو اللہ تعالیٰ نے زندگی دی ہے اُس سے زندگی چھین لینا کسی کے لیے جائز نہیں ۔ ناحق قتل کی سزا قرآن مجید میں صاف طور پر دخولِ جہنم بیان کی گئی ہے ۔ الفاظ اِس طرح ہیں:

{وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿٩٣﴾} (النساء)

''اور جو شخص کسی مؤمن کو قصداً مار ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہے اور اُس کی لعنت ہے اور اللہ نے ایسے شخص کے لیے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

اسلامی تعلیمات میں تو مسلمان کو مسلمان کا بھائی قرار دیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ ہر مسلم دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ اس کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ مشہور حدیث نبویؐ ہے کہ:

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ)) (متفق علیہ)

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

ایک اور جگہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ)) (متفق علیہ)

''تم میں سے کوئی اُس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی

نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔''

گویا مسلمان تو مسلمان کا بھائی ہے اور اس کے حسن سلوک کا مستحق ہے' چہ جائیکہ اس کے ساتھ بدترین سلوک کرتے ہوئے اس کی جان لے لی جائے! زندگی تو اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ کسی دوسرے کی جان لینا تو دور کی بات ہے کسی مسلمان کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ خود اپنی زندگی ختم کر لے 'یعنی خودکشی کر بیٹھے۔ قتل عمد اکبر الکبائر میں سے ہے۔ اسلام نے تو قتل خطا پر بھی سزا رکھی ہے۔ ناحق قتل کرنے والے کی سزا دنیا میں قتل ہے' البتہ قاتل سے اگر مستقبل میں اصلاحِ احوال کی توقع ہو تو معاف کرنے کو پسند کیا گیا ہے۔

اس حدیث کی رو سے چوتھا بڑا گناہ جھوٹی گواہی دینا ہے۔ جھوٹی گواہی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صحیح صورتِ حال سامنے نہ آسکے گی۔ جھوٹی گواہی کی بنیاد پر بے گناہ کو سزا مل سکتی ہے اور مجرم سزا سے بچ سکتا ہے۔ جھوٹ تو رذائل اخلاق میں سب سے بڑے گناہوں میں شمار ہوتا ہے 'بلکہ یہ تو مسلمان کی شان کے خلاف ہے کہ وہ جھوٹی بات کہے ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَی الْخِلَالِ کُلِّھَا اِلاَّ الْخِیَانَۃَ وَالْکَذِبَ)) (مسند احمد)

''مؤمن کی طبیعت اور فطرت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔''

اسلام ایسی بات کرنے کی اجازت نہیں دیتا جس میں جھوٹ کا شبہ ہو۔ دنیا میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کی بدبو یا خوشبو بڑی واضح ہوتی ہے۔ اسی طرح نیکی کے کاموں میں خوشبو اور برے کاموں میں بدبو ہوتی ہے جس کو ملائکہ محسوس کرتے ہیں۔ ایسے بدبودار اعمال میں سے ایک جھوٹ بھی ہے ۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے اس سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔(سنن الترمذی)

جھوٹ کی برائی کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ چھوٹے بچوں کو اپنے پاس بلانے کے لیے جھوٹ موٹ کا لالچ دینے کو بھی جھوٹ کہا گیا ہے اور اسے ناپسند کیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں بچے کو جو چیز دینے کا کہا جائے وہ اسے ضرور دینی چاہیے ۔ جھوٹی گواہی تو اور بھی بری ہے ۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھی ‘جب آپ اس سے فارغ ہوئے تو ایک دم کھڑے ہوگئے اور تین مرتبہ یہ بات دہرائی کہ :

((عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالشِّرْكِ بِاللهِ)) (سنن الترمذی)

’’جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کے برابر قرار دے دی گئی ہے ‘‘۔

پھر آپؐ نے سورۃ الحج کی یہ آیت تلاوت فرمائی: {وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾}’’اور جھوٹی باتوں (اور جھوٹی گواہی) سے بچو ! ‘‘

رسول اللہ ﷺ نے کئی مواقع پر جھوٹی گواہی سے شدت کے ساتھ روکا ہے ۔ ہر مؤمن کے لیے لازم ہے کہ وہ صغیرہ گناہوں سے بھی بچے اور شرک ‘والدین کی حق تلفی ‘قتل ناحق اور جھوٹی گواہی اور دروغ گوئی جیسے گناہوں سے تو کوسوں دور رہے ‘تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ نہ بنے ۔

(33)فضائل اخلاق کی اہمیت

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجَاتِ قَائِمِ اللَّيْلِ صَائِمِ النَّهَارِ)) (رواہ احمد و ابوداؤد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے‘ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا‘آپ ﷺ فرماتے تھے:’’صاحب ایمان بندہ اپنے اچھے اخلاق سے ان لوگوں کے درجات حاصل کر لیتا ہے جو رات بھر نفلی نمازیں پڑھتے ہوں اور دن کو روزہ رکھتے ہوں‘‘۔

اس حدیث سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جب کسی شخص کا عقیدہ صحیح اور عمل درست ہو تو اگرچہ ایسا شخص رات کے نوافل اور رمضان کے علاوہ روزے کثرت کے ساتھ نہ رکھتا ہو ‘مگر اُس کی شخصیت حسنِ اخلاق سے مزین ہو تو ایسا شخص عبادات میں سبقت لے جانے والے مؤمنین کی سی فضیلت حاصل کر لیتا ہے۔

حسن اخلاق انسان کے کردار اور رویے کو دلکش بناتا ہے اور ایسے آدمی کی شخصیت عوام الناس کے درمیان پرکشش اور ہردل عزیز ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی اخلاقی خوبیوں کی بنا پر لوگوں

کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے ۔ ہمارے سچے اور حقیقی راہنما اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ جب ہم اُن کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں تمام فضائل اخلاق سے آراستہ پاتے ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو' اللہ تعالیٰ نے انہیں بنی نوع انسان کے لیے نمونہ بنا کر بھیجا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھرپور زندگی بسر کی۔ آپؐ روزمرہ کے کام کاج میں حصہ لیتے' خرید و فروخت کرتے' ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرتے' دوسروں کے ساتھ شائستہ انداز میں گفتگو کرتے' ساتھیوں کی تربیت کرتے' دشمنوں کے ناپاک عزائم سے باخبر اور ہوشیار رہتے' صحابہؓ کے ساتھ سنجیدہ گفتگو کرتے اور کبھی کبھی خوش طبعی بھی فرماتے۔ آپؐ اس رویے اور طرزِ عمل کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ کی ادائیگی میں بھی پیش پیش تھے۔ پنجگانہ نمازوں کے علاوہ آپؐ رات کے اوقات میں نفل نمازیں بھی پڑھتے' رمضان کے روزے تو فرض ہیں 'ان کے علاوہ بھی ہر مہینے کئی کئی دن نفل روزہ رکھتے۔ تاہم رات کے اوقات میں آرام بھی فرماتے۔ دن کو دوپہر کے وقت تھوڑی دیر کے لیے لیٹ جانا بھی آپؐ کے معمول میں شامل تھا۔ چونکہ آپ ﷺ کی زندگی سراسر متوازن تھی اس لیے خالق کائنات نے{لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ} (الاحزاب:۲۱)''تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی زندگی میں اچھا نمونہ موجود ہے'' کے الفاظ قرآن میں نازل فرما کر انسانوں کے لیے صراطِ مستقیم پر چلنے کا عملی مظہر فراہم کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ کے مقصد بعثت کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ وہ انسانوں کو شرفِ انسانیت سکھائیں اور شرفِ انسانیت فضائل اخلاق ہی کا دوسرا نام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا)) (سنن ابن ماجہ)''مجھے تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے''۔ ان الفاظ کے ساتھ جہاں آپؐ نے معلمین کی عظمت واضح کی' وہاں اساتذہ کی ذمہ داری بھی بتا دی کہ وہ اپنے متعلمین کے لیے مثالی کردار کے حامل بنیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ((بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ))(موطا مالک) ''مجھے اخلاقی خوبیوں کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے''۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی فضائل اخلاق کی مظہر تھی۔ آپؐ نے اپنے ساتھیوں کی اس طرح تربیت کی کہ اُن میں سے ہر فرد اخلاقی خوبیوں سے متصف نظر آتا ہے۔

اس حدیث میں فضائل اخلاق کی اہمیت بیان کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ بلاشبہ

کثرت کے ساتھ نفلی روزے رکھنا اور رات کے اوقات میں عبادت کے لیے کھڑے ہونا بہت اچھے کام ہیں، مگر ان کاموں میں مصروف زندگی گزارنا خاصا مشکل کام ہے۔ البتہ جو آدمی نفلی نمازیں اور روزے تو زیادہ نہیں رکھتا مگر وہ اخلاقی خوبیوں سے متصف ہے تو وہ مرتبے اور مقام کے اعتبار سے اس شخص کے درجہ کو پا لیتا ہے جو رات بھر نمازیں پڑھتا ہو اور دن کے وقت زیادہ تر روزہ رکھتا ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ نے فرمایا: ''دیکھو ابھی ایک جنتی شخص آنے والا ہے''۔ تھوڑی دیر میں ایک انصاریؓ اپنے بائیں ہاتھ میں اپنی جوتیاں لیے ہوئے تازہ وضو کر کے آرہے تھے۔ داڑھی پر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ دوسرے دن بھی اسی طرح ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ نے یہی فرمایا اور وہی شخص اسی طرح آئے۔ تیسرے دن بھی یہی ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما متجسس ہوئے کہ یہ انصاری صحابی، جنہیں آپؐ نے جنتی کہا ہے، کیا عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا جب مجلس نبویؐ، ختم ہوئی اور یہ بزرگ وہاں سے اٹھ کر چلے تو حضرت عبداللہ بن عمروؓ بھی ان کے پیچھے ہو لیے اور ان انصاری صحابیؓ سے کہنے لگے کہ حضرت! مجھ میں اور میرے والد میں کچھ تکرار ہو گئی ہے جس پر میں قسم کھا بیٹھا ہوں کہ تین دن تک اپنے گھر نہیں جاؤں گا۔ پس اگر آپ مہربانی فرما کر مجھے اجازت دیں تو میں یہ تین دن آپ کے ہاں گزارلوں۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ تین راتیں ان کے ساتھ گزاریں۔ دیکھا کہ وہ رات کو تہجد کی لمبی نماز بھی نہیں پڑھتے۔ صرف اتنا کرتے ہیں کہ جب آنکھ کھلتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی بڑائی اپنے بستر پر ہی لیٹے لیٹے کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ فجر کی نماز کے لیے اٹھ جاتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ میں نے ان کے منہ سے سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ نہیں سنا۔ بہرحال جب تین راتیں گزر گئیں تو مجھے ان کا عمل بہت ہی ہلکا سا معلوم ہونے لگا۔ اب میں نے ان سے کہا کہ حضرت! دراصل نہ تو میرے اور میرے والد کے درمیان کوئی ایسی باتیں ہوئی تھیں نہ میں نے ناراضی کے باعث گھر چھوڑا تھا، بلکہ واقعہ یہ ہوا کہ تین مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابھی ایک جنتی شخص آرہا ہے اور تینوں مرتبہ آپ ہی تشریف لائے تو میں نے ارادہ کیا کہ آپ کی خدمت میں کچھ دن رہ کر دیکھوں تو سہی کہ آپ ایسی کون سی عبادتیں کرتے ہیں جو جیتے جی بزبانِ رسولؐ آپ کے جنتی ہونے کی یقینی خبر ہم تک پہنچ گئی۔ چنانچہ میں نے یہ بہانہ بنایا

اور تین رات تک آپ کی خدمت میں رہا تاکہ آپ کے اعمال دیکھ کر میں بھی ویسے ہی عمل شروع کر دوں، لیکن میں نے تو آپ کو نہ تو کوئی نیا عمل کرتے ہوئے دیکھا نہ عبادت ہی میں اَوروں سے زیادہ بڑھا ہوا دیکھا۔ اب میں جا رہا ہوں لیکن ایک سوال ہے کہ آپ ہی بتایئے آخر وہ کون سا عمل ہے جس نے آپ کو پیغمبر خدا ﷺ کی زبانی جنتی بنا دیا؟ انہوں نے کہا بس تم میرے اعمال کو دیکھ چکے، ان کے سوا اور کوئی خاص پوشیدہ عمل تو ہے نہیں۔ چنانچہ

حضرت عبداللہ بن عمرو اُن سے رخصت ہو کر چل دیے۔ تھوڑی ہی دور نکلے تھے کہ انہوں نے آواز دی اور فرمایا: ''ہاں' میرا ایک عمل سنتے جائو۔ وہ یہ کہ میرے دل میں کبھی کسی مسلمان سے دھوکہ بازی' حسد اور بغض کا ارادہ بھی نہیں ہوا ۔ میں کبھی کسی مسلمان کا بدخواہ نہیں بنا''۔ حضرت عبداللہ ؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ بس اب معلوم ہو گیا' اسی عمل نے آپ کو اس درجہ تک پہنچایا اور یہی وہ چیز ہے جو ہر ایک کے بس کی نہیں۔

جان لینا چاہیے کہ فضائل اخلاق نام ہے دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ((اَحْسِنْ خُلُقَکَ لِلنَّاسِ یَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ)) (موطا مالک) ''اے معاذ! لوگوں کے لیے اپنے اخلاق کو بہتر بنائو''۔ گویا اچھا انسان وہ ہے جو دوسروں کے لیے مفید ہو اور ہر کوئی اس کی اذیت سے مأمون و محفوظ ہو۔

رحم دلی اچھی عادت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں پر رحم کرنے اور معاف کرنے کا درس دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا یَرْحَمُ اللّٰہُ مَنْ لَا یَرْحَمُ النَّاسَ)) (صحیح البخاری) ''وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے محروم رہیں گے جن کے دلوں میں دوسرے آدمیوں کے لیے رحم نہیں''۔ کسی انسان یا جانور کو تکلیف یا مشکل میں دیکھ کر اس کی مدد کے لیے آگے بڑھنا بہت بڑی نیکی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَضٰی لِاَحَدٍ مِنْ اُمَّتِیْ حَاجَۃً یُرِیْدُ اَنْ یَّسُرَّہٗ بِھَا فَقَدْ سَرَّنِیْ وَمَنْ سَرَّنِیْ فَقَدْ سَرَّ اللّٰہَ وَمَنْ سَرَّ اللّٰہَ اَدْخَلَہُ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ)) (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

''جس نے میرے کسی اُمتی کی حاجت پوری کر دی' اس کا دل خوش کرنے کے لیے 'تو اس نے مجھے خوش کیا 'اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے میرے اللہ کو خوش کیا اور جس

نے اللہ کو خوش کیا اللہ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔''

اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کا کفیل ہے۔ وہ سب کا روزی رساں اور ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے والا ہے۔ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ پس جو آدمی اللہ کی مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے وہ اللہ کا پسندیدہ بن جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ' فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ)) (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے ۔پس اللہ کو اپنی ساری مخلوق میں زیادہ محبت ان بندوں سے ہے جو اُس کی مخلوق کے ساتھ احسان کریں۔''

مشرکین مکہ نے رسول اکرمﷺ پر اور آپ ؐ کے ساتھیوں پر اس قدر ظلم کیا کہ انہیں مکہ چھوڑ کر مدینہ میں پناہ لینی پڑی۔ لیکن فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے عام معافی کا اعلان فرما کر کہ: ((فَاِنِّیْ اَقُوْلُ لَکُمْ مَا قَالَ یُوْسُفُ لِاِخْوَتِہٖ: لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ، اِذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ))یہ روایت کتب سیرت میں مختلف حوالوں سے نقل ہوئی ہے۔ ”میں تم سے وہی کہوں گا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا : آج تمہارے اوپر کوئی گرفت نہیں جائو، پس تم آزاد ہو“ حسن اخلاق کا وہ نمونہ چھوڑا کہ دنیا اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ بدلہ لینے اور سزا دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود معاف کرنا اللہ کو بہت پسند ہے۔ایثار و قربانی بہت بڑی اخلاقی خوبی ہے۔ یہ خوبی آپؐ کے کردار میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی۔ آپؐ، کئی کئی دن کے فاقے برداشت کرلیتے تھے لیکن دوسروں کے سوال کو کبھی ردّ نہ فرماتے تھے۔ آپؐ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بھی یہ خوبی نمایاں تھی کہ وہ اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے۔ قرآن مجید میں مؤمنین صادقین کی ایک یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ : {وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَ لَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ } (الحشر:۹) ” وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں چاہے وہ خود تنگی میں ہوں (ضرورت مند ہوں)“۔یہی وجہ ہے کہ آپؐ ،کی راہنمائی میں وہ معاشرہ وجود میں آیا جس کے افراد باہم شیر و شکر اورالفت و محبت کے رشتہ میں منسلک تھے۔ کسی دوسرے کی تکلیف کو گوارا نہ کرتے تھے ،بلکہ خود تکلیف اٹھاکردوسروں کے لیے راحت کا سامان بہم پہنچاتے تھے۔ سیرت صحابہؓ ،میں اس قسم کے بے شمار واقعات تاریخ کا حصہ ہیں۔

غصہ انسان کی سرشت میں ہے ،مگر غصے پر کنٹرول نہ کر سکنا اور آپے سے باہر ہو جانا

رذائل اخلاق میں سے ہے۔ جبکہ غصے پر قابو پانا بڑی فضیلت کی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
((لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَۃِ، اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِکُ نَفْسَہٗ عِنْدَ الْغَضَبِ)) (متفق علیہ)
”پہلوان اور طاقتور وہ نہیں ہے جو مدمقابل کو پچھاڑ دے ،بلکہ پہلوان تو درحقیقت وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔“
اللہ کی رضا کی خاطر غصہ پی جانے والوں کے لیے بشارت ہے کہ اللہ انہیں قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے لائیں گے اور ان کو اختیار دیں گے کہ حورانِ بہشت میں سے جس حور کو چاہیں اپنے لیے پسند کر لیں۔

(جامع ترمذی ' سنن ابی دائود)

باہم نفرت و عداوت ' حسد اور بدگمانی ' بغض اور کینہ ' یہ سب رذائل اخلاق ہیں ۔ان سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ نرم مزاجی ' حلم و بردباری 'خوش کلامی ' صدق و امانت ' قناعت و استغناء ' شرم و حیا اور صبر و شکر اخلاقی خوبیاں ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :

((اِنَّ اَثْقَلَ شَیْئٍ یُوْضَعُ فِیْ مِیْزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ خُلُقٌ حَسَنٌ)) (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

''قیامت کے دن مؤمن کی میزانِ عمل میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری چیز جو رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے۔''

حسن اخلاق میں یہ بھی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی سے شگفتہ روئی کے ساتھ ملاقات کی جائے۔ اس کام میں نہ تو کوئی پیسہ خرچ ہوتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے 'جبکہ یہ بھی بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی بھی نیکی کو حقیر نہ جانو۔ اگر تم اپنے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے ملتے ہو تو یہ بھی ایک قابل قدر نیکی ہے۔

پس ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اخلاقی خوبیاں اپنائے۔ دوسروں کے لیے نیک اور مفید جذبات رکھے۔ کسی اخلاقی خوبی کو معمولی خیال نہ کرے اور رذائل اخلاق سے اپنے دامن کو بچا کر رکھے۔

(34)بندے کا دولت میں حقیقی حصہ

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : ((یَقُوْلُ الْعَبْدُ مَالِیْ مَالِیْ وَاِنَّمَا لَہٗ مِنْ مَّالِہٖ ثَلَاثٌ: مَا اَکَلَ فَاَفْنٰی اَوْ لَبِسَ فَاَبْلٰی اَوْ اَعْطٰی فَاقْتَنٰی وَمَا سِوٰی ذٰلِکَ فَھُوَ ذَاھِبٌ وَتَارِکُہٗ لِلنَّاسِ)) (رواہ مسلم واحمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال' حالانکہ اس کے مال میں سے جو واقعی اُس کا ہے وہ بس تین مدیں ہیں: ایک وہ جو اس نے کھا کے ختم کر دیا۔ دوسرا وہ جو

پہن کر پرانا کر ڈالا اور تیسرا وہ جو اُس نے راہِ خدا میں دیا اور اپنی آخرت کے واسطے ذخیرہ کر لیا ‘اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ بندہ دوسرے لوگوں کے لیے اُس کو چھوڑ جانے والا ہے اور خود یہاں سے ایک دن رخصت ہوجانے والا ہے‘‘۔

انسان روزی کمانے کی جدوجہد کرتا ہے اور ہر وقت مال اکٹھا کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ پھر اپنا مال اور جائیداد دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے یہ میرا مال ہے‘ یہ میرا مال ہے‘ یہ میرا مکان ہے‘ یہ میری زمین ہے‘ یہ میری حویلی ہے‘ یہ میرا کارخانہ ہے۔ زندگی بھر یہی راگ الاپتا رہتا ہے ‘ حتیٰ کہ اُس کی موت کا وقت آجاتا ہے۔ اُس وقت اُس کا سارا مال اور جائیداد پڑی رہ جاتی ہے جو اسی وقت اس کی ملکیت سے نکل کر اس کے وارثوں کا مال بن جاتا ہے‘ اور وہ خود خالی ہاتھ سفید کفن پہن کر قبر میں اتر جاتا ہے۔

اسلام زندگی گزارنے کا نہایت عمدہ اور اچھا انداز بتاتا ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں مال جمع کرنے اور اس کو سنبھال سنبھال کر رکھنے سے بڑے حکیمانہ طریقے سے منع کیا گیا ہے اور حقیقت حال ان الفاظ میں واضح کی ہے کہ جس مال کو وہ اپنا مال کہتا ہے اور جسے اس نے بڑی جدوجہد اور محنت کے ساتھ کمایا ہے دراصل اُس میں سے اس کا مال صرف وہ ہے جو اس نے کھا پی کر ختم کر لیا‘ یا پھر اپنے لباس پر خرچ کیا یا وہ اللہ کی راہ میں نیک کاموں پر خرچ کر کے توشۂ آخرت بنا لیا۔ اس کے علاوہ جتنا بھی مال اس نے پس انداز کیا وہ اس کے وارثوں کا ہے۔ اگر وہ اس کو نیک کاموں میں خرچ کریں گے تو ثواب پائیں گے‘ اگر برے کاموں میں خرچ کریں گے تو گناہ

حاصل کریں گے۔

اس حدیث میں انسان کو حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے نصیحت کی گئی ہے کہ جس قدر ممکن ہو اپنا مال اللہ کی راہ میں اور نیک کاموں میں خرچ کرنا چاہیے ‘کیونکہ جو مال اس طرح خرچ کیا گیا وہ توشۂ آخرت بن گیا اور مرنے والا جو مال چھوڑ گیا اس کے بارے میں جواب دہی تو اسے کرنا پڑے گی جبکہ اس سے فائدہ دوسرے اٹھائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَیُّکُمْ مَالُ وَارِثِہٖ اَحَبُّ اِلَیْہِ مِنْ مَّالِہٖ)) قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ: مَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا مَالُہٗ اَحَبُّ اِلَیْہِ مِنْ مَّالِ وَارِثِہٖ‘ قَالَ: ((فَاِنَّ مَالَہٗ مَا قَدَّمَ وَمَالَ وَارِثِہٖ مَا اَخَّرَ)) (رواہ البخاری)

یعنی تم میں سے کون ایسا ہے جس کو اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال محبوب ہو؟ لوگوں نے عرض کیا ہم میں سے تو ہر ایک کا حال یہ ہے کہ اس کو اپنے وارثوں کے مال سے زیادہ محبوب اپنا ہی مال ہے۔ آپ ﷺ

نے فرمایا: ''جب یہ بات ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ آدمی کا مال بس وہی ہے جس کو اس نے آگے بھیجا اور جس قدر اس نے بچا کر رکھا وہ اس کا نہیں بلکہ اس کے وارثوں کا ہے (پس عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی کو وارثوں کے لیے مال چھوڑنے سے زیادہ فکر اپنی آخرت کے لیے سرمایہ محفوظ کرنے کی ہونی چاہیے جو اسی صورت میں ممکن ہے کہ مال جمع کرنے کی دھن کو طبیعت پر غالب نہ آنے دے بلکہ کشادہ دلی کے ساتھ مال کا بڑا حصہ خیر کے کاموں میں خرچ کرتا رہے)۔ جب آدمی فوت ہو جاتا ہے تو دنیا میں اُس کے دوست احباب اور رشتہ دار یہ کہتے ہیں کہ اتنا مال چھوڑ کر مرا' بڑی دولت کمائی ' اپنی اولاد کے لیے بڑی جائیدادیں بنائیں 'مگر حقیقت یہ ہے کہ محنت و مشقت سے کمایا ہوا یہ مال اس کے کسی کام نہیں آتا بلکہ الٹا اسے اس مال کی جواب دہی کرنا ہوگی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا مَاتَ الْمَیِّتُ قَالَتِ الْمَلَائِکَۃُ مَا قَدَّمَ وَقَالَ بَنُوْ آدَمَ مَا خَلَّفَ)) (رواہ البیھقی)

''جب مرنے والا مرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ اس نے اپنے واسطے آگے کیا بھیجا؟ (یعنی آخرت میں کام آنے والے کون سے نیک عمل کیے؟) جبکہ عام لوگ آپس میں

باتیں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس نے کتنا مال چھوڑا؟''

حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کے اعمالِ خیر اور فی سبیل اللہ خرچ ہی اس کے لیے آخرت کا ذخیرہ ہے۔ جس شخص کو اللہ نے امورِ خیر میں خرچ کرنے کی توفیق دی ہے وہ بڑا ہی خوش قسمت ہے 'کیونکہ ہر ایک نے موت کا ذائقہ چکھ کر اللہ کے حضور پیش ہونا ہے' جہاں اُس سے دیگر سوالوں کے ساتھ خصوصی طور پر یہ سوال پوچھا جائے گا کہ مال کہاں سے کمایا اور کس جگہ خرچ کیا؟ اگر مال جائز طریقے سے کمایا ہوگا اور اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہوگا تو ایسا شخص حقیقی کامرانی سے بہرہ مند ہوگا' ورنہ کفِ افسوس ملنے کے سوا چارہ نہ ہوگا۔ انسان کی اصلی اور کام آنے والی کمائی تو وہی ہے جو اس نے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آخرت کے لیے محفوظ کر لی۔

اس سلسلہ میں قرآن مجید میں بڑی واضح راہنمائی موجود ہے۔ سورۃ الحشر میں ارشاد ہے:

{یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ لۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ ۚ}(آیت ۱۸)

'' اے اہل ایمان ! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ہر شخص غور سے دیکھتا رہے (دھیان رکھے) کہ وہ کل (آنے والی زندگی) کے لیے کیا آگے بھیج رہا ہے !''

پس انسان کو اس چند روزہ زندگی میں اس بات کی کوشش کرنا چاہیے کہ روزی حلال اور جائز طریقے سے کمائے اور

اس آمدنی کو اپنے اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے ‘مگر ضروری ہے کہ اپنی کمائی کا ایک حصہ فی سبیل اللہ خرچ کرے اور یہی خرچ کرنا اس کے لیے توشۂ آخرت ہو گا‘ جیسا کہ اس حدیث میں صاف طور پر بتایا گیا ہے کہ بندے کی کمائی میں سے دراصل اُس کا مال وہی ہے جو اس نے خیر کے کاموں میں لگایا۔ یہ مال اُس وقت اس کے کام آئے گا جب وہ بے یارو مددگار ہو گا اور کوئی اس کی دستگیری کرنے والا نہ ہو گا۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ نے ایک بکری ذبح کی اور اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ اس کا گوشت لوگوں میں تقسیم کردو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آپؐ‘ گھر والوں میں واپس آئے تو پوچھا کہ بکری کے گوشت کا کیا ہوا؟ بتایا گیا کہ تمام گوشت لوگوں میں تقسیم کر دیا ہے ‘البتہ بکری کی ایک ’’دستی‘‘ (کَتِف) اپنے استعمال کے لیے رکھ لی گئی ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ایسا نہ کہو‘ بلکہ یوں کہو کہ بکری کا سارا گوشت محفوظ ہو گیا ہے سوائے ایک دستی کے‘‘۔ استفسار کرنے پر آپ ﷺ نے وضاحت کی کہ جو گوشت تم نے اللہ کی رضا کے لیے تقسیم کر دیا ہے وہ تو تمہارا توشۂ آخرت بن گیا اور جو تم نے اپنے کھانے کے لیے رکھ لیا وہ توشۂ آخرت نہ

بنا ‘کیونکہ اس کو خود کھا کر ختم کر دیا جائے گا۔

پس انسان کا مال اپنی کمائی میں سے وہی ہے جو اُس نے اپنے ہاتھوں خرچ کر دیا‘غرباء‘ مساکین اور دیگر مستحقین کو اللہ کی رضا کے لیے دیا ‘یا پھر رفاہِ عامہ کے کاموں میں لگایا ‘یا کسی دنیوی مفاد کے بغیر دین اسلام کی سربلندی کے لیے خرچ کیا۔ ایسا مال یقینا اس کے لیے توشۂ آخرت ثابت ہو گا۔

(35)آخرت کے طالب بنو!

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : ((اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَتَخَوَّفُ عَلٰی اُمَّتِی الْھَوٰی وَطُوْلُ الْاَمَلِ‘ فَاَمَّا الْھَوٰی فَیَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ‘ وَاَمَّا طُوْلُ الْاَمَلِ فَیُنْسِی الْآخِرَۃَ‘ وَھٰذَا الدُّنْیَا مُرْتَحِلَۃٌ ذَاھِبَۃٌ‘ وَھٰذِہِ الْآخِرَۃُ مُرْتَحِلَۃٌ قَادِمَۃٌ‘ وَلِکُلٍّ وَاحِدٍ مِنْھُمَا بَنُوْنَ‘ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لاَّ تَکُوْنُوْا مِنْ بَنِی الدُّنْیَا فَافْعَلُوْا‘ فَاِنَّکُمُ الْیَوْمَ فِیْ دَارِ الْعَمَلِ وَلَا حِسَابَ‘ وَاَنْتُمْ غَدًا فِی دَارِ الْآخِرَۃِ وَلَا عَمَلَ)) (رواہ البیھقی فی شعب الایمان) حضرت جابر رضی اللہ سے روایت ہے ‘انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’میں اپنی اُمت پر جن بلائوں کے

آنے سے ڈرتا ہوں' اُن میں سب سے زیادہ ڈر کی چیزیں ہویٰ اور طول اَمل ہے (یہاں ہویٰ سے مراد یہ ہے کہ دین و مذہب کے بارے میں اپنے نفس کے رجحانات اور خیالات کی پیروی کی جائے اور طولِ اَمل یہ ہے کہ دُنیوی زندگی کے بارے میں لمبی لمبی آرزوئیں دل میں پرورش کی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دو بیماریوں کو بہت زیادہ خوفناک بتلایا اور آگے اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی)کہ ہویٰ تو آدمی کو قبولِ حق سے مانع ہوتی ہے (یعنی اپنے نفسانی رجحانات اور خیالات کی پیروی کرنے والا قبولِ حق اور اتباعِ ہدایت سے محروم رہتا ہے)اور طولِ اَمل (یعنی لمبی لمبی آرزئوں میں دل پھنس جانا)آخرت کو بھلا دیتا ہے اور اس کی فکر اور اس کے لیے تیاری سے غافل کر دیتا ہے(اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ) یہ دنیا دم بدم چلی جا رہی

ہے' گزر رہی ہے (کہیں اس کا ٹھہرائو اور مقام نہیں) اور آخرت (اُدھر سے) چل پڑی ہے' چلی آ رہی ہے۔ اور ان دونوں کے بچے ہیں (یعنی انسانوں میں کچھ وہ ہیں جو دنیا سے ایسی وابستگی رکھتے ہیں جیسی وابستگی بچوں کو اپنی ماں سے ہوتی ہے اور کچھ وہ ہیں جن کی ایسی ہی وابستگی اور رغبت بجائے دنیا کے آخرت سے ہے) پس اے لوگو! اگر تم کر سکو تو ایسا کرو کہ دنیا (سے چمٹنے والے اس) کے بچے نہ بنو (بلکہ اس دنیا کو دارالعمل سمجھو) تم اس وقت دارالعمل میں ہو(یہاں تمہیں صرف محنت اور کمائی کرنی ہے) اوریہاں حساب اور جزاو سزا نہیں ہے' اور کل تم (یہاں سے کوچ کر کے) دارِ آخرت میں پہنچ جانے والے ہو' اور وہاں کوئی عمل نہ ہو گا (بلکہ یہاں کے اعمال کا حساب ہو گا اور ہر شخص اپنے کیے کا بدلہ پائے گا)''۔

رسول اللہ ﷺ رحمۃٌ للعالمین ہیں۔ آپؐ کو ہرگز یہ گوارا نہیں کہ اُمت کا کوئی فرد ناکام و نامراد اور خائب و خاسر رہے۔ چنانچہ آپؐ نے قدم قدم پر لوگوں کو اُن خطرات سے آگاہ کیا ہے جو اُن کے لیے دنیا و آخرت میں خسارے کا باعث ہیں۔ شرک اور غیر اللہ کی پرستش سے منع کیا ہے' والدین کی نافرمانی اور ہمسایوں کے ساتھ برے سلوک سے روکا ہے۔ غرض آپ ﷺ نے ہر اُس کام سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے جو رذائل اخلاق میں آتے ہیں 'یعنی جن سے حقوق اللہ اور حقوق العباد تلف ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے ہویٰ اور طولِ اَمل میں گرفتار ہونے سے خبردار کیا ہے۔ ہویٰ سے مراد یہاں دین و مذہب کے بارے میں نفس کے رجحانات اور خیالات کی پیروی کرنا ہے اورطولِ اَمل وہ لمبی لمبی آرزوئیں ہیں جن کے پورا کرنے میں انسان اس قدر منہمک ہو جاتا ہے کہ اسے آخرت کی فکر نہیں رہتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا :ہویٰ تو انسان کو قبولِ حق سے روکتی ہے ۔چنانچہ جس حق بات کو اس کا نفس گوارا نہیں کرتا اُسے وہ مسترد کر دیتا ہے اور من کی مرضی کے اعمال میں مشغول رہتا ہے۔ مثال کے طور پر سود کو حرام قرار دیا گیا ہے 'مگر کوئی شخص اس حقیقت کو جاننے کے باوجود سودی کاروبار نہیں چھوڑتا۔ ایسا شخص ہوائے نفس میں مبتلا ہے

۔اسی طرح خواتین کو پردے کا حکم ہے کہ وہ گلیوں بازاروں میں حسن کی نمائش نہ کرتی پھریں ‘مگر یہ کام ان کو گوارا نہیں ‘بلکہ وہ بن سنور کر چست لباس پہن کر بے پردہ گھومتی پھرتی ہیں اور مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں۔صاف ظاہر ہے کہ اُن کا یہ طرزِ عمل خواہش نفس

کے تابع ہے۔ انہوں نے اللہ کے احکام کے مقابلہ میں اپنی مرضی کو اختیار کیا ہوا ہے۔ ایسا طرزِ عمل سراسر ہلاکت ہے۔ اسی طرح جدید نظریات و افکار جو انسان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہیں اُن کا اپنا نفس اُن کو قبول کر کے راضی ہے‘ مگر دین اور شریعت میں ان کی کوئی بنیاد نہیں ‘وہ گمراہی کی طرف لے جانے والے ہیں۔

تھوڑا سا غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تمام بدعات کی بنیاد ہوائے نفس پر ہی ہے‘ اگرچہ لوگ انہیں دین کا کام اور کارِ ثواب سمجھ کر کرتے ہیں مگر دین کے اندر اُن کا کوئی ذکر نہیں۔ نہ وہ کام رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں اور نہ ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیے ہیں ‘مگر بعد کے اَدوار میں لوگوں نے محض ہوائے نفس کے تابع وہ بدعات شروع کردیں اور اپنے نفس کی پسند کو اختیار کیا ۔ حالانکہ بدعت کی شناعت کو رسول اللہ ﷺ نے دو ٹوک انداز میں واضح کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا :’’ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں ڈالنے والی ہے۔‘‘ بدعات کو اختیار کرنے والے لوگ اگر غور کریں تو خود اُن پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ یہ عمل جب اُسوۂ حسنہ میں نہیں ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی ایسا نہیں کیا تو ضرور یہ بے فائدہ اور لایعنی ہے‘ اگرچہ یہ ہمارے نفس کو مرغوب ہے۔ ہوائے نفس کا یہی تو مطلب ہے کہ اپنے نفس کے پسندیدہ عمل کو قبول کر لینا بغیر یہ جانے کہ یہ عمل اُسوۂ حسنہ میں ہے یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے کیا ہے؟ پس ہر مسلمان کا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیے کہ وہ صرف ایسے اعمال کو اختیار کرے جن کا حکم اللہ اور اس کے رسولؐ نے دیا ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان پر عمل کیا ہے ‘اور ہر اُس عمل کو بدعت سمجھ کر چھوڑ دے جو بعد کے لوگوں نے ایجاد کیا اور خیر القرون میں وہ نظر نہیں آتا ‘خواہ وہ بظاہر کتنا ہی خوش نما اور بھلا معلوم ہوتا ہو۔ اگر خواہش نفس کی پیروی کی جائے گی تو رسول اللہ ﷺ خبردار کر رہے ہیں کہ اس کا نتیجہ قبولِ حق میں رکاوٹ کا سبب بنے گا۔ انسان کا مزاج ایسا بگڑے گا کہ حق یا ناحق کی پہچان کرتے وقت اپنی خواہش کے مطابق فیصلہ کرے گا اور کتاب و سنت کو نظرانداز کردے گا۔ ظاہر ہے یہ طرزِ عمل سراسر ہلاکت ہے۔ نفس کی خواہشات پر کنٹرول کرنا آسان نہیں ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا قول قرآن مجید میں نقل ہوا ہے‘ وہ اعتراف کرتے ہیں کہ :{وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ}(یوسف:۵۳) ’’میں اپنے نفس کو بری ُالذمہ نہیں ٹھہراتا‘ بے شک نفس تو برائی پر ہی اُکساتا ہے‘‘۔ جب ایک نبی ؑ یہ

بات کہہ رہے ہیں تو قیاس کر لیا جائے کہ ایک عام آدمی کا نفس اسے کس حد تک برائی پر آمادہ کرتا ہو گا اور اسے نفس امارہ سے کس قدر ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے !

دوسری بات جس سے رسول اللہ ﷺ نے اپنی اُمت کے حق میں خطرہ محسوس کیا ہے وہ طولِ اَمل ہے، جس کا مطلب ہے لمبی لمبی خواہشات میں پھنس جانا۔ یہ طرزِ عمل بھی انسان کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے اور اسے خبر بھی نہیں ہوتی۔ دنیا وی ترقی کے سلسلہ میں انسان کے لمبے چوڑے پروگرام طولِ اَمل ہی کے ضمن میں آتے ہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے آگاہ کیا ہے کہ جو شخص طولِ اَمل میں پھنس جاتا ہے آخرت اُس کو یاد نہیں رہتی۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان واضح حقیقت پر مبنی ہے، کیونکہ جو شخص دنیاوی زندگی کے لمبے پروگراموں میں پڑ جائے گا اُس کے ذہن اور دماغ پر ہر وقت اِس دنیا کی زندگی میں دوسروں پر سبقت لے جانے اور مال و جائیداد اکٹھی کرنے کا شوق سوار رہے گا اور آخرت کی زندگی کی حیثیت اس کے نزدیک صرف زبانی عقیدے کی ہو گی۔ کیونکہ جس شخص کو آخرت کی فکر لگ گئی وہ دنیا کی زندگی میں بس ناگزیر حد تک دلچسپی لے گا اور اس کی اصل دلچسپی اُن اعمال کو اختیار کرنے میں ہو گی جو اُس کی دائمی زندگی کو سنوارنے والے ہوں۔ یہی طرزِ عمل خود رسول اللہ ﷺ کا تھا اور یہی انداز فکر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا کہ اُن کے نزدیک دنیا دل لگانے کی نہیں بلکہ آخرت بنانے کی جگہ ہے۔

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ دنیا تو دم بدم چلی جا رہی ہے، گزر رہی ہے اور یہ جو آخرت ہے یہ آگے سے چل پڑی ہے اور چلی آ رہی ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں کے بچے ہیں، یعنی انسانوں میں کچھ ایسے ہیں جو دنیا سے ایسی محبت اور تعلق رکھتے ہیں جیسا کہ بچوں کو ماں کے ساتھ ہوتا ہے اور کچھ وہ ہیں جن کو ایسی ہی وابستگی اور رغبت دنیا کے بجائے آخرت کے ساتھ ہے۔ آنحضرت ﷺ جو اُمت کے غم خوار ہیں، نصیحت کرتے ہیں کہ جہاں تک تم سے ہو سکے دنیا کے بیٹے نہ بنو، یعنی دنیا کے ساتھ بس واجبی اور ناگزیر حد تک تعلق رکھو۔ تمہاری اصل دلچسپی آخرت کے ساتھ ہونی چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (اپنی آخرت کے لیے) بھرپور عمل کرو، کیونکہ آج تم دارالعمل یعنی عمل کرنے کی جگہ میں ہو، یہاں تمہیں عمل کرنے کی آزادی ہے، تم اچھے کام بھی کر سکتے ہو اور برے کام بھی۔ یہاں حساب کتاب اور جزا و سزا نہیں ہے، اور کل

تمہیں کوچ کر کے دارِآخرت میں پہنچنا ہے، اور آخرت وہ جگہ ہے جہاں کوئی عمل نہ ہو گا، اگرچہ انسان چاہے گا کہ اب مجھے موقع دیا جائے تو اچھے عمل کروں گا مگر اُس وقت مہلت عمر گزار کر وہ دارالعمل سے دار الجزا میں پہنچ چکا ہو گا۔ اس طرح اُس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکے گی، بلکہ حسرت کے ساتھ ہاتھ ملنے کے سوا وہ کچھ نہ کر سکے گا۔ دنیا کے یہ شب و روز بڑے قیمتی ہیں۔ ان کا صحیح استعمال کر کے انسان ابدی راحت حاصل کر سکتا ہے اور ان کو دنیا کی

دلچسپیوں میں گزار کر اور شتر بے مہار کی طرح زندگی گزار کر ہمیشہ کی ناکامی اور نامرادی تک پہنچ جاتا ہے ۔ دنیا کی خواہشات کو اگر آزاد چھوڑ دیا جائے تو ان کی کوئی حد نہیں' کیونکہ ہر خواہش سے آگے بھی ایک خواہش ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ''اگر آدمی کے پاس مال کی بھری ہوئی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کی تمنا کرے گا اور آدمی کا پیٹ تو بس مٹی سے بھرے گا 'اور اللہ اس بندے پر عنایت اور مہربانی فرماتا ہے جو اپنا رخ اور توجہ اس کی طرف کر لے۔'' (صحیحین)

دنیا کی دلچسپیوں میں بڑی کشش ہے 'ان سے بچنا کوئی آسان کام نہیں ۔ ادھر ابلیس ان دلچسپیوں کو مزید خوش نما بنا کر انسان کو ان کا گرویدہ بناتا ہے۔ پس دنیا کے ساتھ واجبی سا تعلق اسی صورت میں رہ سکتا ہے جب یادِ خدا اور فکر آخرت انسان کے سامنے ہر وقت مستحضر رہے اور وہ ہر عمل کرنے سے پہلے دیکھ لے کہ یہ کام آخرت میں کیا نتیجہ سامنے لائے گا' اللہ تعالیٰ کی خوشنودی یا اُس کی ناراضی؟

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہمیں دو ہلاکتوں سے خبردار کر رہا ہے۔ ایک نفسانی خواہشات کی پیروی اور دوسرے دنیا کی زندگی میں لمبی لمبی خواہشات ۔ آپ ﷺ کے سچے اُمتی کی زندگی تو اس نہج پر بسر ہونی چاہیے کہ وہ نفسانی خواہشات کی غلامی سے بچے' ہر کام دین و شریعت کی روشنی میں کرے' اس راہ میں آنے والے شیطانی وسوسوں سے باخبر رہے' شیطان کی ملمع سازیوں سے ہوشیار رہے ۔ الغرض اپنی ہر خواہش کو اَطِیْعُوا اللّٰہَ اور اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کے تابع رکھے' اور یہ اللہ کی توفیق کے بغیر نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:'{وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿ ۱۶ ﴾}''اور جو شخص نفس کی خواہش سے بچا لیا گیا پس ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔ پس اللہ تعالیٰ سے توفیق اور استقامت طلب کرتے رہنا چاہیے جس کے لیے آپ ﷺ نے ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہِ'' کا ذکر تلقین فرمایا ہے کہ ''کہ کسی

شخص میں نہ برائی سے بچنے کی ہمت ہے اور نہ نیکی کرنے کی طاقت مگر اللہ کی توفیق سے''۔ اسی طرح مال اور جائیداد کی کثرت کی خواہش پر قابو پانے کے لیے آپؐ نے اکسیر نسخہ بتا دیا کہ مال و دولت میں اپنے سے نیچے کے لوگوں کو دیکھو اور دین میں اپنے سے اونچے کو دیکھو تاکہ ناداروں اور مفلسوں کی کمزوری اور ناداری کو دیکھ کر جذبہ ٔشکر پیدا ہو اور دین میں اونچے لوگوں کو دیکھ کر نیکی میں آگے بڑھنے کا شوق پیدا ہو۔

(36)رحمتِ الٰہی کی وسعت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : ((اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّیِّئَاتِ، ثُمَّ بَیَّنَ ذٰلِکَ: فَمَنْ ھَمَّ بِحَسَنَۃٍ فَلَمْ یَعْمَلْھَا کَتَبَھَا اللّٰہُ لَہٗ عِنْدَہٗ حَسَنَۃً کَامِلَۃً، فَاِنْ ھُوَ ھَمَّ بِھَا فَعَمِلَھَا کَتَبَھَا اللّٰہُ لَہٗ عِنْدَہٗ عَشْرَ حَسَنَاتٍ اِلٰی سَبْعِ مِائَۃِ ضِعْفٍ اِلٰی اَضْعَافٍ کَثِیْرَۃٍ، وَمَنْ ھَمَّ بِسَیِّئَۃٍ فَلَمْ یَعْمَلْھَا کَتَبَھَا اللّٰہُ لَہٗ عِنْدَہٗ حَسَنَۃً کَامِلَۃً، فَاِنْ ھُوَ ھَمَّ بِھَا فَعَمِلَھَا کَتَبَھَا اللّٰہُ سَیِّئَۃً وَاحِدَۃً)) (متفق علیہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو نیکیاں اور برائیاں لکھنے کا حکم دیا ' اس طرح پر کہ جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایک پوری نیکی شمار کر لیتا ہے ' اور جو شخص نیکی کا ارادہ کر کے اس پر عمل کرے اس کے حساب میں ایک نیکی کے بدلہ میں دس نیکیاں بلکہ سات سو نیکیاں اور اس سے بھی زیادہ لکھی جاتی ہیں ' اور جو شخص برائی کا ارادہ کرے اور برائی کو عمل میں نہ لا سکے (خدا کے خوف سے یا کسی اوروجہ سے) تو خداوند تعالیٰ اپنے ہاں اس کے حساب میں ایک پوری نیکی لکھ لیتا ہے ' اور جو شخص برائی کا ارادہ کر کے اس کو عمل میں بھی لائے تو صرف ایک برائی اس کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہے''۔ (بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی ذات میں بے مثل اور بے مثال ہے اسی طرح اُس کی ہر صفت

ازلی وابدی اور لامحدود ہے ۔تاہم اُس کی صفت ِرحمت سب سے بڑھ کر ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے : {وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ} (الاعراف:۱۵۶) ''میری رحمت وسیع ہے ہر شے پر''۔ حاملین ِعرش مؤمنین کے حق میں اللہ کے حضور بخشش کی دعا کرتے وقت کہتے ہیں :

{رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَۃً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا...} المؤمن:۷) اے ہمارے پروردگار ! تیری رحمت ہر چیز پر پھیلی ہوئی ہے ' بس تو بخش دے ان لوگوں کو جو توبہ کریں...''

بخاری اور مسلم کی زیر درس حدیث بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر ہے کہ جو شخص نیکی کا ارادہ کرتا ہے اُس کے نامہ ٔ اعمال میں ایک نیکی کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے اگرچہ وہ شخص اپنے ارادے پر عمل نہ کر سکے۔ اور اگر وہ اپنے ارادے کے مطابق نیک کام کر لے تو اُس کو دس نیکیوں کے برابر بلکہ سات سو یا سات سو سے بھی زیادہ نیکیوں کا ثواب دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے حساب میں وہ برائی نہیں لکھی جاتی ' بلکہ اگر وہ برائی کے ارادے پر عمل نہیں کرتا تو اُس کو ایک نیکی کا ثواب ملتا ہے۔ اور اگر وہ اپنے برے ارادے کے مطابق برائی کر گزرے تو اُس کے نامہ ٔ اعمال میں صرف ایک ہی برائی درج کی جاتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے ' وہ اپنے بندوں کی خطائیں معاف کرنا چاہتا ہے اور نیک کاموں پر زیادہ سے زیادہ ثواب

دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا ۚ وَ مَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزٰۤى اِلَّا مِثۡلَهَا وَ هُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾} (الانعام)

''جو کوئی ایک نیکی لاتا ہے اُس کے لیے دس گنا اجر ہے ‘اور جو کوئی ایک برائی لاتا ہے تو اس کو بس اسی کی جزا ملے گی اور لوگوں پر ظلم نہیں جائے گا''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے‘ بس اس کی رحمت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت ہے۔ ؎

رحمت حق بہا نمی جوید
رحمت حق بہانہ می جوید

جو شخص بڑا گناہگار ہو ‘پھر اس کو ندامت ہو ‘توبہ کرے اور آئندہ کے لیے گناہوں سے باز رہنے

کا پختہ ارادہ کر کے اللہ کے حضور معافی چاہے ‘تو ایسے آدمی پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اس قدر برستی ہے کہ اُس کی برائیاں نیکیوں میں تبدیل کر دی جاتی ہیں۔ الفاظِ قرآنی:{لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ ؕ}(الزمر:۵۳) ''اللہ ‘کی رحمت سے مایوس نہ ہو'' کا یہی مطلب ہے کہ کوئی گناہگار اپنے بے حساب گناہوں پر نظر ڈال کر رحمتِ الٰہی سے مایوس نہ ہو ‘بلکہ اگر وہ خلوص کے ساتھ اللہ کو پکارے گا تو اللہ کی بے پایاں رحمت سے نوازا جائے گا۔ ؎

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ !

سورۃ الفرقان میں کبیرہ گناہوں کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوا:

{اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۷۰﴾}

''مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دے گا‘ اور اللہ تو بخشنے والا اور مہربان ہے''۔

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سو رحمتیں ہیں ‘ان میں سے ایک رحمت اُس نے جن‘ انسان‘ چارپایوں اور زہریلے جانوروں میں بھیجی ہے ‘اس رحمت کے سبب سے وہ آپس میں پیار محبت اور مہربانی کرتے ہیں‘جبکہ ننانوے (۹۹) رحمتوں کو اللہ تعالیٰ نے قیامت کے لیے اٹھا رکھا ہے کہ وہ ان سے اس دن اپنے بندوں پر رحم کرے گا۔ (بخاری و مسلم)

ایک دفعہ آپ ﷺ نے سورۃ الرحمن کی آیت :{وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾} پڑھی کہ ''جو شخص اپنے پروردگار کے روبرو کھڑا ہونے سے ڈرا اُس کو دو جنتیں ملیں گی''۔ صحابی رسول حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ اگرچہ اس نے زنا او رچوری کی ہو؟ آپؐ نے یہ سن کر پھر وہی آیت پڑھی۔ ابودرداءؓ نے پھر پوچھا اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو؟ آپ ﷺ نے پھر وہی آیت پڑھی۔ تیسری مرتبہ ابودرداءؓ نے پھر پوچھا یارسول اللہ اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو؟ آپؐ نے فرمایا: ''اگرچہ ابودرداء کی ناک خاک آلودہو''۔ (احمد)

گویا گناہگار سے گناہگار شخص کے گناہ بھی اللہ کی رحمت کے سامنے بے حیثیت ہیں۔

صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص جس نے کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا تھا' موت کے وقت اپنے گھر والوں سے کہا کہ جب میں مرجائوں تو مجھے جلا دینا۔ پھر آدھی راکھ

جنگل میں اُڑا دینا اور آدھی دریا میں بہا دینا۔ خدا کی قسم اگر اللہ نے مجھ پر قابو پالیا تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا جیسا دنیا میں پہلے کسی کو نہ دیا ہو گا۔جب وہ بندہ مرگیا تو اُس کے بیٹوں نے اس کی وصیت کے مطابق عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا اور اس کے اندر کی راکھ جمع کی 'پھر جنگل کو حکم دیا اور اُس کے اندر کی راکھ جمع کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا: پروردگار تیرے خوف سے 'اور تو یہ بات خوب جانتا ہے۔ اس پر اللہ نے اسے بخش دیا۔ (عن ابی ھریرہ) اگرچہ اس شخص کی وصیت غلط تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس خوف کی وجہ سے اُسے بخش دیا جو اسے قیامت کے دن اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے تھا۔ پس اللہ تعالیٰ سے خوف کھانا اللہ کی رحمت کو متوجہ کرتا ہے۔

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو ایک کتاب لکھی جو اس کے پاس عرش پر موجود ہے۔ اس کتاب میں یہ الفاظ ہیں: ((اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ)) ''میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی''۔ (عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

گویا اللہ کی رحمت کی کوئی حد نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے اس سے کہیں زیادہ محبت ہے جتنی ایک ماں کو اپنے بچے کے ساتھ ہوتی ہے۔ ایک دفعہ جب ایک عورت کو اپنے بچے کے ساتھ والہانہ محبت کرتے دیکھا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا :کیا تمہارے خیال میں یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ صحابہؓ نے عرض کیا:یارسول اللہ ﷺ ہرگز نہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا :''اللہ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحم کرنے والا ہے جتنا یہ عورت اپنے بچے پر مہربان ہے''۔ (صحیحین 'عن عمر بن الخطابؓ)

انسانوں کا پروردگار اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے' پھر بھی انسان اپنی بری روش' سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے عذاب کا مستحق بن جائے تو اس سے بڑی بدبختی اور محرومی اور کیا ہو گی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم کسی غزوے میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ایک جماعت کے قریب سے گزرے اور پوچھا تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے عرض کیا ہم مسلمان ہیں ۔ اس جماعت میں ایک عورت ہانڈی پکا رہی تھی اور اس کا بیٹا اس کے پاس تھا۔ جب آگ کا شعلہ بلند ہوتا تو عورت لڑکے کو پیچھے ہٹا لیتی۔ پھر عورت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: کیا آپؐ خدا کے رسول ہیں؟ فرمایا: ''ہاں''۔ عورت نے پوچھا: میرے

ماں باپ آپ پر قربان !کیا اللہ بہت رحم کرنے والا نہیں؟ فرمایا: ''ہاں''۔ عورت نے کہا :اللہ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحم کرنے والا نہیں ہے جتنا کہ ایک ماں اپنے بچوں پر رحم کرتی ہے؟ فرمایا :''ہاں''۔ عورت نے کہا ماں تو اپنے بچے کو آگ میں نہیں ڈالتی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے سر جھکا لیا اور روتے رہے۔ پھر سر اٹھا کر فرمایا :''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر عذاب نہیں کرتا سوائے ان لوگوں پر جو سرکش ہیں' یعنی اللہ سے سرکشی کرتے ہیں اور اس کا حکم نہیں مانتے اور لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کرتے ہیں''۔ (ابن ماجہ)

جن احادیث میں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور مغفرت کا مطلق ذکر ہے وہاں یہ بات مسلم ہوتی ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا وہ گناہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک سے زائد مقامات پر دو ٹوک انداز میں فرما دیا ہے کہ شرک اللہ کے نزدیک ناقابل بخشش گناہ ہے۔پس کسی انسان کا اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور بخشش کے باوجود اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ہو جانا بھی عین ممکن ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور مغفرت کا امیدوار ہونے کے لیے لازم ہے کہ بندہ اپنے کو اس کا اہل بنانے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو مانے' حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی کوشش کرے۔ اللہ کے غضب کو دعوت دینے والے کام نہ کرے۔ استغفار کو اپنا شعار بنائے۔ شرکیہ اُمور سے سخت اجتناب کرے 'کیونکہ شرک بندے کو اللہ کی بے پایاں رحمت سے محروم کر دیتا ہے۔ خود قرآن مجید میں ارشاد ہے: {اِنَّہٗ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ الۡجَنَّۃَ وَ مَاۡوٰىہُ النَّارُ ؕ} (المائدۃ:۷۲) ''بے شک جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا پس حرام کی اللہ نے اُس پر جنت اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے ۔'' ایک دفعہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گدھے پر سوار تھے۔آپؐ نے فرمایا :''اے معاذ! بندوں پر خدا کا یہ حق ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں' اور خدا پر بندوں کا یہ حق ہے کہ جو شخص اس کی ذات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے وہ اس کو عذاب نہ دے۔'' (بخاری و مسلم)

آسمان سے بارش تو یکساں ہوتی ہے ۔جس شخص نے اپنا برتن سیدھا رکھا ہوتا ہے اُس کو پانی مل جاتا

ہے مگر اُسی بارش میں جس شخص نے اپنا برتن الٹا رکھے رکھا وہ بارش کا ایک قطرہ بھی حاصل نہ کر سکے گا۔ اب اگر یہ نادان شکایت کرے کہ اتنی بارش ہوئی مگر مجھے تو ایک قطرہ پانی

بھی نہیں ملا تو اس کی یہ شکایت انتہائی لغو ہو گی۔یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے اپنے عقیدے اور عمل کو سنجیدگی سے نہ لیا۔ ساری عمر خواہش نفس کے پیچھے لگا رہا۔ شرکیہ امور انجام دیتا رہا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت سے محروم رہا۔ اللہ کی رحمت تو انسان کو پکار پکار کر اپنی طرف بلا رہی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارا پروردگار روزانہ رات کے آخری تہائی حصے میں آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے کون ہے جو مجھ سے مانگے تاکہ میں اس کے سوال کو پورا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت چاہے اور میں اس کو بخش دوں؟'' (بخاری و مسلم)

(37)رسول اللہ ﷺ کی حکیمانہ نصیحتیں

عَنِ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : اَمَرَنِیْ خَلِیْلِیْ ﷺ بِسَبْعٍ ، اَمَرَنِیْ بِحُبِّ الْمَسَاکِیْنِ وَالدُّنُوِّ مِنْھُمْ، وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَنْظُرَ اِلٰی مَنْ ھُوَ دُوْنِیْ وَلَا اَنْظُرَ اِلٰی مَنْ ھُوَ فَوْقِیْ، وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَصِلَ الرَّحِمَ وَاِنْ اَدْبَرَتْ، وَاَمَرَنِیْ اَنْ لاَ اَسْأَلَ اَحَدًا شَیْئًا ، وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَقُوْلَ بِالْحَقِّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا، وَاَمَرَنِیْ اَنْ لَا اَخَافَ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ، وَاَمَرَنِیْ اَنْ اُکْثِرَ مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہِ، فَاِنَّھُنَّ مِنْ کَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ (رواہ احمد)

''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' انہوں نے فرمایا کہ مجھے میرے محبوب دوست (ﷺ) نے سات باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے۔ مجھے آپ ﷺ نے حکم دیا ہے مساکین اور غرباء سے محبت رکھنے کا اور ان سے قریب رہنے کا۔ اور آپؐ نے حکم فرمایا ہے کہ دنیا میں ان لوگوں پر نظر رکھوں جو مجھ سے نچلے درجہ کے ہیں اور اُن پر نظر نہ کروں جو مجھ سے اُوپر کے درجہ کے ہیں ۔ (آگے حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ) اور مجھے آپؐ نے حکم دیا ہے کہ میں اپنے اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کروں اور

قرابتی رشتہ داروں کو جوڑوں اگرچہ وہ میرے ساتھ ایسا نہ کریں۔ اور آپؐ نے مجھے حکم دیا ہے کہ کسی آدمی سے کوئی چیز نہ مانگوں ۔اور آپؐ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں ہر موقع پر حق بات کہوں' اگرچہ وہ لوگوں کے لیے کڑوی ہو ۔اور آپؐ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں اللہ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں۔ اور آپؐ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں کلمہ ٔ ''لاَحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہِ'' کثرت سے پڑھا کروں' کیونکہ یہ سب باتیں اُس خزانے سے ہیں جو عرش کے نیچے ہے۔''

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے چہیتے صحابہ میں سے تھے۔ اُن کا شمار سابقون الاولون میں ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اُن پر خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ جب وہ مجلس نبویؐ میں موجود ہوتے 'توآپؐ سب سے پہلے انہی کو مخاطب فرماتے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے منظورِ نظر تھے اور انہیں خلیلِ 'رسولؐ' کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ صرف معلم ہی نہ تھے بلکہ مربی بھی تھے۔آپؐ نے اپنے اصحاب کو اسلام سکھایا اور پھر اُن کی تربیت کر کے انہیں اچھا انسان بنایا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی تربیت ہی تھی جس نے عرب کے ناشائستہ لوگوں کو اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا۔ حدیث زیر درس میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے خلیل یعنی رسول اللہ ﷺ نے سات باتوں کا خاص طورپر حکم دیا۔ پہلی بات جو آپ ؐنے مجھے ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ میں مساکین اور مفلس لوگوں سے محبت رکھوں۔ عام طور پر مسکین اور غریب لوگوں کو معاشرے میں کم درجہ کے افراد سمجھا جاتا ہے' دوسرے لوگ ان کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور نہ اُن کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے رزق کی فراخی نہیں دی اور رزق کی فراخی کسی شخص کے اچھا اور معزز ہونے کی علامت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تعلیم دی ہے کہ مفلس لوگ حقیر نہیں ہوتے۔ اگر وہ احکامِ الٰہی کی پابندی کرنے والے اور قناعت پسند ہیں تو وہ مال داروں سے اچھے ہیں 'کیونکہ دولت مند لوگ مال خرچ کرنے میں عموماً بخل سے کام لیتے ہیں یا مال ناجائز کاموں میں خرچ کرتے ہیں اور برتری کے زعم میں بتلا ہو کر مسکین اور غریب افراد کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں 'اور یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ غریب اور مسکین لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست اور میل جول رکھنے سے انسان عجب وتکبر سے بچ جاتا ہے اوراسے اللہ کا شکر ادا کرنے کی توفیق ارزاں ہوتی ہے۔

دوسری بات جو اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ میں اُن لوگوں پر نظر رکھوں جو مجھ سے نیچے درجہ میں ہیں 'یعنی جن کے پاس دُنیوی زندگی کا سامان مجھ سے کم ہے اور ان پر نظر نہ کروں جن کی مالی حالت مجھ سے اچھی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر آدمی اپنے سے کمتر حیثیت کے لوگوں کو دیکھے گا تو اُس میں شکر کے جذبات پیدا ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے سے زیادہ مالدار لوگوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا ہے 'کیونکہ امیروں کی

طرف دیکھ کر حسرت پیدا ہو گی' احساسِ کمتری پیدا ہو گا اور موجود نعمتوں پر شکر گزاری کی توفیق نہ ہو گی' بلکہ کثرت کی خواہش پیدا ہو گی جو ذہنی سکون اور اطمینان کو غارت کر دے گی۔ مزید کے حصول میں لگ کر بندہ ناجائز ذرائع اور وسائل کی طرف لپکتا ہے۔بیوی بچوں کی طرف سے سہولیات کے مطالبات پر وہ سوچوں میں گم رہنے لگتا ہے اور آسانی کے ساتھ شیطان کے دھوکے میں آکر حصولِ دولت کے ناجائز طریقوں میں ملوث ہونے لگتا ہے 'اس طرح لالچ میں آگے بڑھتے بڑھتے وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کا واپس مڑنا ممکن نہیں رہتا۔ اس ساری برائی کا تدارک یہ ہے کہ انسان راضی برضائے رب کے جذبات کے ساتھ جو میسر ہو اس پر قناعت کرے اور دوسروں کی عیاشیاں اور محلات دیکھ کر افسردہ نہ ہو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تیسری بات جو آپ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ میں اپنے اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کروں 'یعنی قریبی رشتہ داروں کے ساتھ تعلق جوڑ کر رکھوں اگرچہ وہ مجھ سے ناطہ توڑیں ۔ عام طور پر رشتہ داروں میںشکر رنجیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو طول پکڑ لیں تو عداوت تک پہنچ جاتی ہیں۔ حالانکہ اپنے عزیز و اقارب کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کر کے قرابت داری کے تعلق کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ رشتہ داری کا تعلق خدا کا پیدا کردہ ہے 'اس کو کمزور کرنے کی بجائے مضبوط کرنا چاہیے۔ قرآن مجید میں بار بار صلہ رحمی کی تلقین کی گئی ہے اور حدیث میں تو یہاں تک آتا ہے کہ اگر عزیز و اقارب اچھا سلوک نہ بھی کریں تو بھی ان کے ساتھ حسن ِسلوک کا معاملہ کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قطع رحمی کرنے والا یعنی قریبی رشتہ داروں کے ساتھ تعلق توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ جو شخص قرابت داروں کے ساتھ تعلقات توڑتا ہے گویا وہ خدائی فیصلے کو تسلیم نہ کرنے کا مرتکب ہوتا ہے۔ عزیز و اقارب میں جو غریب ہوں ان کو حقارت کی نظر سے دیکھنے کی بجائے اُن کی مدد کرنی چاہیے ۔ اسی طرح غریب اورتنگ دست رشتہ داروں کو چاہیے کہ وہ اپنے

خوشحال بھائی بندوں سے حسد نہ کریں اور نہ اُن کے لیے زوالِ نعمت کی تمنا کریں 'بلکہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے دین و دنیا کی بھلائیوں کا سوال کریں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ چوتھی بات جو میرے خلیل ﷺ نے مجھے فرمائی وہ یہ ہے کہ میں کسی شخص سے کوئی چیز نہ مانگوں 'یعنی ضرورت کی ہر چیز کا سوال اللہ تعالیٰ سے کروں۔ دوسروں سے مانگیں تو نہ ملنے پر شرمندہ ہونا پڑتا ہے ۔ آپؐ کے اس فرمان سے قناعت' سادگی اور خود انحصاری کا سبق ملتا ہے جو انسان کو باوقار اور خوددار رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے اگر کسی گھڑسوار کا چابک نیچے گر جاتا تو وہ اس بات سے گریز کرتا کہ کسی دوسرے کو کہے کہ وہ اسے اٹھا کر دے دے' بلکہ وہ بہتر سمجھتا کہ خود گھوڑے سے اتر کر اپنا چابک پکڑے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اپنی حاجت

کے لیے اللہ تعالیٰ سے سوال کرو' اگر جوتے کا تسمہ بھی مانگنا ہو تو اللہ سے مانگو' اس سے توکل اور راضی برضائے رب کی نعمتیں میسر آتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک ہی سواری پر جا رہے تھے۔ آپؐ نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا جب تو کسی چیز کو مانگنا چاہے تو بس اللہ سے مانگ اورجب کسی ضرورت اور مہم میں تو مدد کا محتاج اور طالب ہو تو اللہ ہی سے امداد اور اعانت طلب کر۔ (جامع ترمذی) کسی مخلوق سے سوال کرنا اور مدد مانگنا نری نادانی اور گمراہی ہے۔ اللہ کی مشیت کے بغیر انسان کو کسی طرف سے خیر یا بھلائی نہیں مل سکتی اور نہ اُس کی کوئی حاجت پوری ہو سکتی ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پانچویں بات جو مجھے نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ میں ہر موقع پر حق بات کہوں اگرچہ وہ لوگوں کو کڑوی لگے۔ لوگوں کو تو وہ بات پسند آتی ہے جو ان کے مزاج اور خواہش کے مطابق ہو۔ سچی بات جب خواہش سے ٹکرائے گی تو ناپسند لگے گی 'مگر ایک مسلمان بندے کو حق گوئی ہی زیب دیتی ہے۔ لوگوں کو خوش کرنے کی خاطر حق کو چھپانا اور لگی لپٹی باتیں کرنا گناہ کا کام ہے ' صاف گوئی مردانِ حق کا شیوہ ہے ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جابر سلطان کے سامنے کلمہ ''حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے''۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی اس بات پر یہاں تک عمل کیا کہ آپؐ نے اُن کے متعلق فرمایا: ''آسمان کسی ایسے شخص پر سایہ فگن نہیں ہوا اور زمین نے کسی ایسے شخص کو کندھوں پر نہیں اٹھایا جو ابوذرؓ سے زیادہ سچی زبان رکھتا ہو''۔ امیر معاویہؓ شام کے گورنر تھے' وہ اپنا محل تعمیر کروا رہے تھے' حضرت

ابوذرؓ نے دیکھا تو امیر معاویہؓ سے مخاطب ہو کر کہا: ''اگر اس محل کی تعمیر اللہ کے مال سے ہو رہی ہے تو خیانت ہے اور اگر اس پر اپنا مال خرچ کر رہے ہو تو یہ اسراف ہے''۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مجھے چھٹا حکم یہ دیا کہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں۔ یعنی دنیا والے اگرچہ مجھے برا کہیں لیکن میں وہی کہوں اور وہی کروں جو اللہ کا حکم ہو اور جس سے اللہ راضی ہو اور کسی کے برا بھلا کہنے کی مطلق پرواہ نہ کروں۔ اسی طرزِ عمل کو ثابت قدمی اور پامردی کہتے ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس معاملے میں انتہائی دلیر اور بے باک تھے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آخری بات جس کا آپ ﷺ نے اس موقع پر مجھے حکم دیا وہ یہ تھی کہ میں کثرت سے کلمہ ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰہِ''پڑھتا رہوں' کیونکہ یہ کلمہ اس خزانے سے آیا ہے جو عرش کے نیچے ہے اور یہ وہ خزانہ ہے جہاں تک کسی کی دسترس نہیں۔ یہاں کی متاعِ بے بہا اللہ تعالیٰ جن بندوں کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے ۔ اس کلمے کا مفہوم یہ ہے کہ گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنے کی قوت بس اللہ ہی کی توفیق سے بندے کو ملتی ہے۔ یعنی اگر اللہ کا فضل اور اس کی توفیق شاملِ حال نہ ہو تو بندہ نہ تو گناہ سے بچ سکتا ہے اور نہ ہی نیک اعمال

کر سکتا ہے۔ اگر اس حقیقت پر نظر رہے تو بندہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے دست بدعا رہے گا اور اُس سے توفیق اور فضل مانگتا رہے گا تاکہ برائی سے بچ سکے اور نیکی کر سکے۔ اس کلمے کا مطلب سمجھ کر اس کا ورد کرنے والا نیکی کرنے کو اپنا کمال نہیں سمجھے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہو گا جس نے اُسے اچھی توفیق دی ۔اور اسی طرح گناہ سے بچے گا تو بھی خالق و مالک کا شکر ادا کرے گا کہ اُس نے اُسے گناہ سے بچا لیا۔ عقیدہ اور عمل کی اصلاح کے لیے اس کلمے کا ورد اکسیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: کیا میں تم کو وہ کلمہ بتائوں جو عرش کے نیچے سے اترا ہے اور خزانہ جنت میں سے ہے ۔ وہ کلمہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلاَّ بِاللهِ ہے (جب بندہ دل سے یہ کلمہ پڑھتا ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بندہ (اپنی انانیت سے دستبردار ہو کر) میرا تابع فرمان ہو گیا ہے۔ بعض اہل علم و تقویٰ کا کہنا ہے کہ قلب و نفس کی جلی اور خفی کدورتوں کو دور کرنے میں اس کلمے کی خاص تاثیر ہے۔ چنانچہ اصلاحِ نفس کے لیے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اس کے مطلب کا فہم حاصل کر کے خلوصِ نیت کے ساتھ اس کلمے کو وردِ زبان رکھے۔

---

(38)رسول اللہ ﷺ کی تین ہدایات

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ :((لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ کُنْتُمْ)) (رواہ ابوداؤد و احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:
''تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بنالو' اور میری قبر کو میلہ نہ بنا لینا' ہاں مجھ پر صلوٰۃ بھیجا کرنا' تم جہاں بھی ہو گے مجھے تمہاری صلوٰۃ پہنچے گی۔''

اس حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو فتح خیبر۷ھ میں ایمان لائے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کی رفاقت کا زمانہ تین ساڑھے تین سال کا ہے۔ قبولِ اسلام کے بعد وہ ہمہ وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے اور ان کی واحد دلچسپی رسول اللہ ﷺ سے علم حاصل کرنا تھی۔ اس راستے میں انہوں نے شدید بھوک' پیاس اور مسلسل فاقے برداشت کیے۔ اس عزیمت پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو

خصوصی دعائوں سے نوازا۔ اگرچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوسرے بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقابلے میں بہت تھوڑا وقت گزارا مگر ان کی مرویات کی تعداد کتب احادیث میں سب سے زیادہ ہے۔ دوسرے جلیل القدر صحابہ اس خوف کے پیش نظر حدیث نہیں بیان کرتے تھے کہ کہیں الفاظ میں کمی بیشی نہ ہو جائے' چنانچہ وہ صرف وہی احادیث بیان کرتے تھے جن کے متعلق انہیں اپنے حافظے پر پورا یقین ہوتا تھا۔ مگر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے حافظے پر پورا اعتماد تھا۔ اس سلسلہ میں وہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے حافظے کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا: ابوہریرہؓ اپنی چادر پھیلائو۔ میں نے چادر پھیلا دی۔ اس پر آپؐ نے کچھ پڑھا۔ پھر آپؐ کے حکم سے میں نے چادر کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس دن کے بعد سے میں کبھی آپ کی کوئی بات نہیں بھولا۔ یہی میری کثرتِ روایت کا سبب ہے۔ اس جاں نثار اور فداکار صحابیؓ کے ساتھ آپؐ کو بھی بڑی محبت تھی۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بلی تھی جسے وہ ہمیشہ اپنے پاس رکھتے

تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ابوہریرہؓ کی گود میں بلی دیکھی تو پیار سے انہیں ابوہریرہ (بلی کا باپ) فرما دیا۔ پس آپ کا دیا ہوا یہ نام ایسا مشہور و مقبول ہوا کہ ان کے اصل نام عبدالرحمن بن صخر کی جگہ اس کنیت نے لے لی۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔پہلی یہ کہ تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھروں کو اللہ کے ذکر سے معمور رکھنا۔ تلاوتِ قرآن اور نماز سب سے بڑا ذکر ہیں۔ قبرستان میں تو فوت شدہ لوگ ہوتے ہیں جو اس دارالعمل سے کوچ کر کے دار الآخرت میں پہنچ گئے ہیں۔ اب وہ وہاں نہ ذکر اذکار کر سکتے ہیں اور نہ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ پس جس گھر میں اللہ کا ذکر اور نماز کا اہتمام نہیں ہوتا وہ قبرستان کی ایک قبر کی مانند ہے ۔اس فرمانِ رسولؐ میں مسلمانوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ذکر اذکار کریں اور نماز پڑھیں۔ فرض نمازیں تو بہرحال مسجد میں جا کر باجماعت ادا کرنا لازم ہے' لیکن سنن و نوافل گھروں میں ادا کرنے افضل ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول یہ تھا کہ وہ فرضوں سے پہلے کی سنتیں گھروں میں ادا کرتے تھے اور فرض کی ادائیگی کے لیے مسجد میں حاضر ہوتے تھے ۔ فرضوں کے بعد کی سنتیں بھی اپنے گھروں میں ادا کرتے۔ چونکہ نفلی نمازوں میں اخفا پسندیدہ ہے اس لیے لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر ان کا پڑھنا بہتر ہے تاکہ ان میں ریا کا ذرّہ بھی شامل نہ ہو اور یہ عبادت خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے ہو جائے۔

نبی اکرم ﷺ کی دوسری ہدایت یہ ہے کہ میری قبر کو عید نہ بنانا۔ یعنی جس طرح لوگ سال کے کسی معین دن عرس اور میلے کا اہتمام کرتے ہیں اس طرح کا کوئی میلہ یا عرس میری قبر پر منعقد نہ کرنا۔ عید وہ دن ہے جو سال میں ایک مقررہ تاریخ کو آتا ہے اور اس دن خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ عید اور عرس کا مفہوم ایک ہی ہے۔

آج عرس کے نام پر جو تقریبات منعقد ہوتی ہیں' قبروں پر میلے لگتے ہیں' قبروں کا طواف کیا جاتا ہے' وہاں نذرونیاز اور منتیں مانی جاتی ہیں اور دوسری غیر سنجیدہ خرافات دیکھنے میں آتی ہیں ان کی اسلام جیسے دین حق میں کوئی گنجائش نہیں۔ البتہ قبرستان کی زیارت اور وہاں مدفون لوگوں کے حق میں دعائے مغفرت کی تلقین ضرور ہے۔یہ بات جہاں فوت شدگان کے لیے انتہائی مفید ہے وہاں زائرین کے لیے بھی اجرو ثواب کا باعث ہے۔ نیز مسنون طریقہ سے زیارتِ قبور موت کی یاد دلاتی 'نیک عمل کا

داعیہ پیدا کرتی اور گناہوں سے دُور رہنے کا سبق دیتی ہے۔

تیسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ مجھ پر دَرود پڑھا کرو۔ درود مسلمان کے لیے بہت بڑا تحفہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ ہمارے محسن ہیں' ان کی وجہ سے آج ہم مسلمان ہیں۔ اسلام بہت بڑی نعمت ہے ۔ اسلام کے علاوہ کوئی دین و مذہب اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں۔ اللہ کا پسندیدہ اور مقبول دین رسول اللہ ﷺ ہی کے ذریعے ہمیں ملا ہے۔ تو اس احسان کے بدلہ میں ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم اللہ کے حضور رسول اللہ ﷺ کے حق میں دعا گو ہوں۔ اسی دعا کا نام درود ہے۔ درود شریف کے الفاظ خود رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سکھا دیے۔ تھوڑے تھوڑے الفاظ کے فرق کے ساتھ یہ درود شریف کتب احادیث میں منقول ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ فضیلت درودِ ابراہیمی کی ہے جو نماز میں شامل کیا گیا ہے۔ پھر درود شریف کے فوائد میں ایک تو یہ ہے کہ اُمتی درود پڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے حق میں اللہ سے رحمت کی دعا کرتا ہے' جو بڑی فضیلت کی بات اور کسی حد تک رسول اللہ ﷺ کے احسان کا اعتراف و اقرار ہے۔ دوسرے درود پڑھنے والے کو رسول اللہ ﷺ نے عظیم اجر و ثواب کی خوشخبری سنائی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاۃً وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْہُ عَشْرُ خَطِیْئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَہٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ)) (رواہ النسائی واحمد)

''میرا جو اُمتی خلوص دل سے مجھ پر صلوٰۃ بھیجے اللہ تعالیٰ اُس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے 'اُس کے دس گناہ معاف فرما دیتا ہے اور اس کے دس درجے بلند کردیتا ہے۔''

گویا درود شریف ایسا وظیفہ ہے جو نیکیوں میں اضافے اور گناہوں کو مٹانے کا سبب ثابت ہوتا ہے۔ ہر اہل ایمان چاہے جتنا بھی نیکوکار اور متقی ہو وہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے بموجب اپنے اعمال کے بل بوتے پر جنت میں نہیں جا سکتا۔ چنانچہ ہر اُمتی کو بخشش اور مغفرت کے لیے اللہ کی رحمت کی حاجت ہے اور اُس کی یہ ضرورت درود شریف پڑھنے سے پوری ہو رہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر نماز کے آخری قعدے میں درود پڑھنا مقرر کر دیا

لیا ہے کہ اللہ کے اس کے فضل و کرم سے ہر نماز پڑھنے والا مستفید ہو سکے۔ رسول اللہ ﷺ کا درود شریف کے ساتھ خصوصی تعلق واضح ہے۔ لہٰذا کثرت کے ساتھ درود شریف پڑھنے والے کو رسول اللہ ﷺ کا

خاص قرب نصیب ہو گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً)) (رواہ الترمذی)

''قیامت کے دن مجھ سے قریب ترین میرا وہ اُمتی ہو گا جو مجھ پر زیادہ صلوٰۃ بھیجنے والا ہو گا۔''

درود شریف وہ وظیفہ ہے جس کے لیے کوئی وقت اور جگہ مقرر نہیں۔ ہر اُمتی اپنے حالات اور مصروفیت کے مطابق درود شریف کے لیے وقت مقرر کر سکتا ہے۔جب بھی اور جہاں بھی رسول اللہ ﷺ پر آپ کا اُمتی درود شریف پڑھے گا اُس کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو کر دی جاتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے اُس کو میں سنتا ہوں اور جو شخص دور سے مجھ پر درود بھیجے وہ میرے پاس پہنچایا جاتا ہے۔'' (رواہ البیھقی فی شعب الایمان، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح)

بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ تک درود شریف پہنچانے والا فرشتہ صلوٰۃ و سلام بھیجنے والے اُمتی کا نام اس کی ولدیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ تک پہنچاتا ہے، یعنی وہ کہتا ہے: ''یَا محمد صَلّٰی علیک فُلانُ بنُ فُلان''۔ اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ درود شریف پڑھنے والے کا ذکر محبوبِ خدا کی بارگاہ میں نام بنام ہو جائے۔ زیر درس حدیث میں بھی جہاں رسول اللہ ﷺ نے درود پڑھنے کی ترغیب دی ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ تم جہاں بھی ہو گے مجھے تمہاری صلوٰۃ پہنچے گی۔

اُمتیوں کو یہ حکم ہے کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کا نام سنیں یا پڑھیں تو آپ پر درود شریف پڑھیں۔ چنانچہ مسلمانوں کا یہ معمول ہے کہ جب بھی وہ رسول اللہ ﷺ کا نام سنتے ہیں تو ''صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم'' کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو بخیل کہا ہے جس کے سامنے آپ کا نام لیا جائے مگر وہ درود نہ پڑھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْبَخِيْلُ الَّذِيْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ)) (رواہ الترمذی و احمد) ''بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں:

((رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ)) (رواہ الترمذی و احمد)

''اُس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

چونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نبی کریم ﷺ پر دَرود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے اس لیے جب اللہ کے حضور دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائیں اور اُس کے ساتھ دَرود بھی پڑھیں تو یہ دُعا کی قبولیت کا باعث ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ عَلٰى نَبِيِّكَ)) (رواہ الترمذی)

''دُعا آسمان اور زمین کے درمیان رُکی رہتی ہے 'اوپر نہیں جا سکتی' جب تک کہ تم اپنے نبی مکرم ﷺ پر درود نہ بھیجو۔''

زیر درس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے گھروں میں سنن و نوافل پڑھنے کو معمول بنایا جائے تاکہ گھر میں خیر و برکت کا دور دورہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر عرس اور میلہ نہ لگانے کا حکم ہے۔ وہاں تو یہ کام نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ کی اطاعت میں یہ بھی شامل ہے کہ بزرگوں اور اولیاء اللہ کے مزارات کا تقدس بھی غیر سنجیدہ اجتماعات کے ساتھ مجروح نہ کیا جائے۔ ہاں کرنے کا کام یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درود و سلام پڑھا جائے جس سے نیکیاں حاصل ہوں اور گناہ مٹتے جائیں اور اللہ کے فرمان پر عمل بھی ہو جائے۔ درود شریف کے ضمن میں ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ صرف مسنون درود پر اکتفا کیا جائے 'کیونکہ وہی الفاظ آپؐ کے شایانِ شان اور بھروسہ کے قابل ہیں اور جملہ فیوض و برکات اسی میں ہیں۔ دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے دَرود پر نہ بشارتیں ہیں اور نہ ہی اُن پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

(39)تقویٰ کی فضیلت

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا بَعَثَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَى الْيَمَنِ خَرَجَ مَعَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْصِيْهِ وَمُعَاذٌ رَاكِبٌ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَمْشِيْ تَحْتَ رَاحِلَتِهٖ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ : ((يَا مُعَاذُ اِنَّكَ عَسٰى اَنْ لَا تَلْقَانِيْ بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا وَلَعَلَّكَ اَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِيْ هٰذَا وَقَبْرِيْ)) فَبَكٰى مُعَاذٌ جَشَعًا لِفِرَاقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ الْتَفَتَ فَاَقْبَلَ بِوَجْهِهٖ نَحْوَ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ : ((اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِيَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ كَانُوْا وَحَيْثُ كَانُوْا)) (رواہ احمد)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کو یمن کے لیے (قاضی یا عامل بنا کر) روانہ فرمایا (اور وہ حضورؐ کے حکم کے مطابق وہاں کے لیے روانہ ہونے لگے) تو (ان کو رخصت کرنے کے لیے) حضور ﷺ بھی ان کو کچھ نصیحتیں اور وصیتیں فرماتے ہوئے ان کے ساتھ چلے ' اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تو (حضورؐ کے حکم سے) اپنی سواری پر سوار تھے 'اور حضور ﷺ خود ان کی سواری کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ جب آپ (ضروری نصیحتوں اور وصیتوں سے) فارغ ہو چکے 'تو آپ نے فرمایا:

''اے معاذ! شاید میری زندگی کے اس سال کے بعد ہماری ملاقات نہ ہو۔ (گویا آپ ﷺ نے ان کو اشارہ فرمایا کہ یہ میری زندگی کا آخری سال ہے اور میں عنقریب اس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل کیا جانے والا ہوں۔ اس کے بعد آپ ؐ نے فرمایا) اور شاید ایسا ہو کہ (جب کبھی تم یمن سے واپس آؤ 'تو بجائے مجھ سے ملنے کے اس مدینہ میں) تم میری اس مسجد اور میری قبر پہ گزرو''۔ یہ سن کر حضرت معاذؓ (حضور ﷺ کی وفات کے تصور ' اور) آپ ؐ کے فراق کے صدمہ سے رونے لگے 'تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف سے منہ پھیر کے اور مدینہ کی طرف رخ کر کے فرمایا: ''مجھ سے زیادہ قریب اور مجھ سے زیادہ تعلق رکھنے والے وہ سب بندے ہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں (اور تقوے والی زندگی گزارتے ہیں)وہ جو بھی ہوں ' اور جہاں کہیں

بھی ہوں۔''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے منظورِ نظر صحابہ میں سے تھے۔ وہ بیعت عقبہ ثانیہ کے ۷۲ افراد میں شامل تھے۔آپ جنگ بدر میں شریک تھے اور بعد کے اکثر غزوات میں بھی آپ نے حصہ لیا۔ قرآن و حدیث کا عمدہ فہم رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حلال اور حرام کا علم جاننے والا سب سے بڑا عالم قرار دیا۔ آپ ﷺ ترغیب دیتے تھے کہ لوگ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید سیکھیں۔ دین کے معاملات میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اُن کے مشوروں کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تو آپؓ ' مشیر خاص تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے کہا :اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو گیا ہوتا۔ ۹ھ میں رسول اللہ ﷺ نے انہیں یمن کا حاکم بنا کر روانہ کیا اور نصیحت فرمائی کہ لوگوں کے لیے آسانی مہیا کرنا ' مشکلات پیدا نہ کرنا۔ حضرت معاذ بڑے شیریں بیان اور خوش کلام صحابی تھے۔ ان سے ۱۵۷ حدیثیں مروی ہیں۔'' اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ'' وہ مسنون دُعا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو سکھائی کہ فرض نمازوں کے بعد پڑھا کریں۔

اس حدیث میں اُس وقت کی منظر کشی کی گئی ہے جب ۹ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف عامل بنا کر بھیجا۔ اس موقع پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تو اپنی سواری پر سوار تھے مگر رسول اللہ ﷺ پیادہ

پا اُن کی سواری کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ تواضع اور انکساری اسلامی اخلاق کی محبوب صفت ہے۔ رسُول اللہ ﷺ ''بعد از خدا بزرگ توئی'' کے مقام پر فائز ہونے کے باوجود انتہائی متواضع تھے۔ آپ ﷺ گھر کے معمولی کام خود کر لیتے' صحابہ کے ساتھ سفر میں ہوتے تو دوسروں کے برابر کام کرتے۔ جنگ ِاحزاب کے موقع پر خندق کھودنے میں بھی صحابہ کے ساتھ کھدائی کا کام کیا۔ یہاں بھی رسول اللہ ﷺ اپنے کو نمایاں کرنے کی بجائے تواضع کے ضمن میں بے مثال اُسوہ پیش کر رہے ہیں کہ معاذ رضی اللہ عنہ تو سواری پر ہیں اور آپ ﷺ ساتھ ساتھ پیدل چل رہے ہیں ۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ضرور کہا ہو گا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ سواری پر سوار ہو جائیں اور میں پیدل چلتا ہوں مگر آپؐ نے اس بات کو قبول نہ کیا اورپیدل ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بات کرتے وقت اپنی رائے پر اصرار ہرگز نہ کرتے تھے بلکہ آپؐ کی رضا کو اپنی

خواہش پر ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ جب آپؐ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہکی سواری کے ساتھپیدل چلنا چاہا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی اس بات کو مان لیا اور اصرار نہ کیا۔ اس میں اسلامی اخلاق کا ایک اور پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے کہ کسی کو رخصت کرتے وقت کچھ فاصلے تک اس کے ساتھ جانے میں جانے والے کی عزت افزائی اور اکرام بھی مسنون ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ضروری پندو نصائح دے چکے تو پھر فرمایا کہ اے معاذ! شاید آج کے بعد میری تمہاری ملاقات نہ ہو۔ گویا آپؐ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ میں عنقریب عالم آخرت کی جانب منتقل کیا جانے والا ہوں اوریہ بھی فرمایا کہ جب تم یمن سے واپس آئو گے تو تمہاری ملاقات مجھ سے نہ ہو گی' بلکہ تم میری اس مسجد اور میری قبر سے گزرو گے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ اپنی وفات کی خبر سنا رہے تھے اس لیے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے صدمے کا احساس کر کے رونے لگے۔ اس پر لگتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ بھی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی اس کیفیت کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے تھے۔ آپؐ نے اپنا چہرہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف سے پھیر کر اپنا رُخ مبارک مدینہ کی طرف کر لیا تاکہ آپؐ کے آنسو دیکھ کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ مزید پریشان نہ ہوں۔ آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ اس خبر سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو صدمہ پہنچا ہے' چنانچہ آپؐ نے اُن کو یہ خوشخبری بھی سنا دی کہ میری وفات کے ساتھ میرے عقیدت مندوں اور جان نثاروں کو جو صدمہ ہو گا وہ وقتی ہو گا' کیونکہ جب پرہیزگار لوگ حیاتِ دنیوی گزار کر عالم آخرت کی طرف مراجعت کریں گے تو ان کو وہاں میرا قرب نصیب ہوجائے گا۔ گویا آپؐ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو تسلی دی کہ اس ظاہری فراق کا غم نہ کرو' جب تمہارے دل میں خوفِ خدا اور تقویٰ ہو گا تو تم یمن میں رہتے ہوئے بھی مجھ

سے دُور نہ ہو گے‘ بلکہ دارِ آخرت میں تو تم میرے ساتھ ہی ہو گے۔

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھ سے زیادہ قربت کا تعلق رکھنے والے وہ سب بندے ہوں گے جو اللہ سے ڈرتے ہوئے تقویٰ کی زندگی بسر کریں گے‘ وہ جو کوئی بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔ یعنی آخرت میں میری پائیدار صحبت کے حصول کا معیار تقویٰ ہے۔ یہ متقی لوگ چھوٹی ذات کے ہوں یا بڑی ذات کے‘ حاکم ہوں یا محکوم‘ امیر ہوں یا مفلس‘ خوشحال ہوں یا مفلوک الحال‘ عربی ہوں یا عجمی‘تندرست ہوں یا معذور‘ کالے ہوں یا گورے‘ میرے

ساتھ ہوں گے۔ پھر یہ متقی لوگ دنیا کے کسی خطے میں رہتے ہوں عرب میں ہوں یا عجم میں‘قیامت کے دن ایسے لوگوں کو میری رفاقت نصیب ہو گی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس گفتگو میں گویا آپ ﷺ نے انتہائی جامع نصیحت فرمائی کہ دنیا میں زندگی اللہ تعالیٰ کے خوف میں گزاری جائے‘ ہر وہ کام کیا جائے جس کی آپ ﷺ نے تلقین کی ہے۔ فرائض دینی کو پوری استطاعت کے مطابق بجا لایا جائے اور ہر اس کام سے باز رہا جائے‘ جس سے آپ ﷺ نے منع کیا ہے یا پسند نہیں کیا۔ نیز حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال رہے۔ یہی تقویٰ ہے اور ایسے ہی متقی لوگ اللہ کے ہاں معزز اور مکرم ہوں گے‘جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:{اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ ؕ}(الحجرات:۱۳) ’’بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے بڑھ کر متقی ہے۔‘‘

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ۹ھ کو یمن گئے اور ۱۱ھ میں رسول اللہ ﷺ کی رحلت ہو گئی۔ چنانچہ جب وہ ۱۱ھ میں واپس مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ سے ان کی ملاقات نہ ہو سکی اور اُس وقت آپؐ کی تدفین ہو چکی تھی۔ اب حضرت معاذ کا آپؐ کی قبر سے ہی گزر ہوا‘جس کی رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو خبر دی تھی

(40)حضور ﷺ کی پیشین گوئیاں اور علم الغیب

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ، قَالَ : کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فِیْ حَائِطٍ مِنْ حِیْطَانِ الْمَدِیْنَۃِ، فَجَائَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ : ((اِفْتَحْ لَہٗ وَبَشِّرْہُ بِالْجَنَّۃِ)) فَفَتَحْتُ لَہٗ فَاِذَا اَبُوْبَکْرٍ، فَبَشَّرْتُہٗ بِمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَحَمِدَ اللّٰہَ ثُمَّ جَائَ رَجُلٌ

فَاسْتَفْتَحَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : ((اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ)) فَفَتَحْتُ لَهٗ فَاِذَا عُمَرُ، فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَحَمِدَ اللّٰهَ، ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ، فَقَالَ لِيْ ((اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ، عَلٰى بَلْوٰى تُصِيْبُهٗ)) فَاِذَا عُثْمَانُ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَحَمِدَ اللّٰهَ، ثُمَّ قَالَ : اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ‘انہوںنے بیان کیا کہ میں مدینہ کے ایک باغ میں نبی مکرم ﷺ کے ساتھ تھا تو ایک صاحب آئے اور انہوں نے دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے لیے دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی خوشخبری دو‘ میں نے ان صاحب کے لیے دروازہ کھول دیا تو دیکھا کہ وہ ابوبکر ہیں‘ میں نے ان کو جنت کی بشارت دی‘جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا‘تو اس پر انہوں نے اللہ کی حمد کی (اور شکر ادا کیا) ۔پھر ایک اور صاحب آئے اور انہوں نے بھی دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ان کے لیے دروازہ کھول دو اور انہیں جنت کی خوشخبری دو‘تو میں نے ان کے لیے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ عمر ہیں‘ میں نے ان کو وہ بتلا دیا جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا تو انہوں نے اللہ کی حمد کی (اور شکر ادا کیا) ۔پھر ایک اور صاحب نے دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ان کے لیے بھی دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی خوشخبری دو‘ ایک بڑی مصیبت پر جو ان کو پہنچے گی (میں نے دروازہ کھول دیا) تو دیکھا کہ وہ عثمان ہیں‘ تو میں نے ان کو وہ بتلا دیا جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا تو انہوں نے اللہ کی حمد کی (اور شکر ادا کیا) پھر کہا اللّٰہُ المستعان (یعنی آنے والی مصیبت کے لیے میں اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں)۔

اس حدیث کے راوی حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ صحابی رسولؐ اور ممتاز تاریخی شخصیت ہیں۔ ۷ھ میں فتح خیبر کے موقع پر اپنے قبیلے کے افراد کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ساتھ تبلیغ کے لیے یمن بھیجا۔ عہد فاروقی میں پہلے بصرہ اور بعد میں کوفہ کے عامل رہے۔ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ثالث مقرر کیے گئے۔ آپؓ کا شمار فقہائے صحابہ میں ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ ایک باغ میں تشریف فرما تھے ۔یہاں حائط کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ حائط

اس باغ کو کہتے ہیں جس کے گرداگرد چار دیواری ہو اور داخلے کے لیے دروازہ ہو۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کو آپؐ نے دروازے پر محافظ اور نگران کے طور پر کھڑا کیا تھا۔ اسی دوران کسی شخص نے اندر آنے کی اجازت چاہی ،آپؐ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو فرمایا کہ آنے والے کے لیے دروزہ کھول دیں اور اس کو جنت کی بشارت دیں۔ جب ابوموسیٰ اشعریؓ نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ابوبکر اندر آنا چاہ رہے ہیں۔ آپ ؓ نے

ان کو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق جنت کی بشارت دی ،جس پر انہوں نے اللہ کی حمدبیان کی اور کلماتِ شکر ادا کیے اور اندر آگئے۔ دوبارہ کسی نے دروازہ کھولنے کی استدعا کی اور اب کے بھی ابوموسیٰ اشعری ؓ نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے دروازہ کھولا تو عمر اندر آئے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق انہیں بھی جنت کی بشارت دی گئی ۔ اس پر انہوں نے بھی الحمد للہ کہا ۔ بعد ازاں تیسری مرتبہ دروازہ کھولا گیا تو اجازت لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اندر آئے تو جنت کی خوشخبری کے ساتھ انہیں مصیبت اور ابتلاء کی خبر بھی دی گئی ۔ جنت کی خوشخبری پر انہوں نے الحمد للہ کہا اور مصیبت کی اطلاع پر اللہ المستعان کہہ کر اللہ سے مدد چاہی۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جنت کی خوشخبری دی۔ اس کے علاوہ مختلف مواقع پر آپ نے کچھ دوسرے اصحاب کو بھی جنت کی بشارت دی تھی۔ مشہور حدیث میں آپ ﷺ نے دس اصحاب کو جنت کی بشارت دی جنہیں ''عشرۂ بشرہ'' کہتے ہیں۔ان میں ان تینوں اصحاب کے علاوہ سات دوسرے اصحاب بھی شامل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابی فضیلت مآب ہیں۔ قرآن میں جابجا ان کی تعریف ہے۔ جنگ بدر میں شامل ہونے والے مجاہدین کو مغفرت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ سورۃ الفتح میں بیعت رضوان کا ذکر ہے جس میں شامل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو {لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ} (آیت۱۸)کے الفاظ میں رضائے الٰہی کا تمغہ مل چکا ہے۔ اسی سورت میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے : {اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ}(آیت ۲۹) کہ کفار کے مقابلے میں جانباز مگر آپس میں رحم دل ہیں۔ مشہور محدث حافظ ابونعیم نے اپنی کتاب ''حلیۃ الاولیاء'' میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے قلوب پر نظر ڈالی اور ان سب میں اپنے علم کے مطابق حضرت محمد ﷺ کو منتخب فرمایا اور اپنی رسالت کے ساتھ آپؐ کو مبعوث فرمایا۔ پھر آپؐ کے بعد لوگوں کے قلوب پر نظر ڈالی تو کچھ لوگوں کو آپؐ کے اصحاب اور اپنے دین کے ناصر و مددگار اور آپؐ کے وزراء و نائبین کے طورپر منتخب فرمایا۔ گویا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اللہ کے چیدہ اور منتخب بندے ہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن

عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اصحابِ رسول اس اُمت کے بہترین لوگ ہیں۔ قرآن و حدیث کو دین کے اوّلین ماخذ تسلیم کرنے والے تمام اہل ایمان کا عقیدہ ہے کہ کوئی غیر صحابی

خواہ کسی درجے کا متقی و محسن ہو وہ کسی ادنیٰ درجے کے صحابی کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ صحابی وہ خوش نصیب شخص ہے جس نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا مبارک چہرہ دیکھا اور ایمان کے ساتھ ہی اس دنیا سے رخصت ہوا۔ باغ کے اندر داخلے پر جب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان تینوں اصحاب کو جنت کی بشارت دی گئی تو ہر ایک نے اللہ کی حمدبیان کی ‘گویا آپ کی بشارت کو حق جانا۔ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ایسی خبر اللہ کی وحی سے ہی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : {وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ }(النجم) ’’آپ اپنی خواہش سے زبان کو جنبش نہیں دیتے مگر وہ وحی الٰہی ہی ہوتی ہے‘‘۔ زیر درس حدیث کے مطابق افرادِ اُمت پر ان اصحابِ ثلاثہ کے جنتی ہونے پر یقین کرنا لازمی ہو گیا۔

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بشارت دی گئی تو ساتھ ابتلاء و آزمائش کی خبر بھی دی گئی جس پر انہوں نے الحمد للہ کہا اور ساتھ اللہ المستعان بھی کہا ‘یعنی مجھ پر جو ابتلاء آئے گی اُس میں میں اپنے اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں۔ گویا ان کو یقین ہوگیا کہ جس طرح جنتی ہونے کی بشارت صحیح اور درست ہے اسی طرح آزمائش میں مبتلا ہونا بھی یقینی ہے۔ پھر تاریخ شاہد ہے کہ جس طرح کی ابتلاء میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ڈالے گئے ویسی آزمائش نہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیش آئی نہ عمر رضی اللہ عنہ کو اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کسی طرح بھی اس ابتلاء سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اقبال نے صحیح کہا ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود!

حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو جنت کی بشارت اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت کے ساتھ ابتلاء کی خبر بھی انباء الغیب میں سے ہے۔ اس طرح غیب کی خبریں آپؐ نے اور بھی کئی موقعوں پر بتائی ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں بہت سی باتیں بتائی ہیں جن کو افرادِ اُمت حق جانتے ہیں۔ یہ ساری غیب کی خبریں ہیں ‘مگر اس سے کسی کو یہ شبہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ آپ ﷺ عالم الغیب یعنی غیب دان تھے‘ کیونکہ عالم الغیب صرف ایک اللہ ہے‘ جیسا کہ قرآن مجید میں وضاحت کے

ساتھ بارہا اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ الانعام آیت ۵۰ اور سورۂ ھود آیت ۳۱ کے الفاظ ایک جیسے ہیں : {قُلْ لَّا

اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ}''(اے پیغمبر) کہہ دیجیے میں تم کو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں''۔ سورۃ النمل میں ارشاد ہوا:{قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ}(آیت ٦٥) ''کہہ دو کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے''۔ ''عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ''کے الفاظ قرآن میں صرف اللہ کے لیے ہی استعمال ہوئے ہیں اور کئی دفعہ آئے ہیں۔ مخلوق میں سے کسی کے لیے یہ الفاظ نہیں آئے ‘کیونکہ اللہ ہی عالم الغیب والشھادہ ہے‘ اس کے سوا اور کسی کی یہ صفت نہیں۔ ہاں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے وہ غیب کی خبریں بتا دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:{ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ} (آل عمران:۴۴) ''یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں''۔ گویا جو غیب کی خبریں آپ نے دی ہیں‘ وہ اللہ نے آپ کو بتائی ہیں۔ سورۃ الانعام میں ارشاد ہے: {وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ}(آیت ۵۹) ''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

جان لینا چاہیے کہ اللہ کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے ‘کیونکہ وہ الحکیم ہے۔ کوئی عبث کام اس کی شانِ رفیع کے شایاں نہیں۔ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو وہی علوم عطا فرمائے جو ان کے لیے مناسب اور ضروری تھے۔ غیر ضروری علوم خواہ وہ لوگوں کے نزدیک کتنے اہم ہوں اللہ نے اپنے پیغمبر کو نہیں دیے ۔ عرب کا بچہ بچہ شعر کہتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو شعر کہنا نہیں سکھایا۔ سورۂ یٰسین میں ہے:{وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ}(آیت ٦٩) ''ہم نے انہیں شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ وہ آپؐ کے شایاں تھی''۔ اسی طرح خواندہ ہونا عام لوگوں کے لیے کتنی بڑی خوبی ہے‘ مگر آپؐ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ آپؐ نے دنیاوی علوم مثلاً سائنس‘ تاریخ وغیرہ کی کتابیں نہیں پڑھی تھیں‘ مگر اللہ نے تمام ضروری علوم کے لیے آپ کا سینہ کھول دیا تھا۔ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور اسی کو زیب دیتا ہے۔ اللہ کا کوئی ہمسر نہیں ‘لہٰذا غیب کا علم مخلوق کے لیے نہ مفید ہے نہ مناسب۔

ہاں غیب کی جو خبریں آپؐ کے شایانِ شان تھیں وہ ضرور آپ کو بتا دی گئیں۔ آپؐ کو خواہ مخواہ عالم الغیب کہنے سے آپ کی رفعت شان میں فرق آتا ہے‘ مثلاً بئر معونہ کا واقعہ دیکھ لیجیے۔

بنو سلیم کی ملکیت مدینہ کا ایک کنواں تھا ‘اس کے آس پاس کے علاقے کو بھی بئر معونہ کہتے تھے۔ بنو عامر کا ایک سردار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تعلیم و تبلیغ کے لیے کچھ مسلمانوں کو ساتھ بھیجنے کی درخواست کی ۔ آپؐ نے برضا و رغبت ستر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایک وفد اس کے ساتھ بھیج دیا۔ وہ لوگ جھوٹے تھے۔ جب صحابہ کرامؓ بئر معونہ پہنچے تو وہاں کے سردار نے اپنے قبیلے کو ان پر حملہ کرنے کو کہا۔ مسلمانوں نے مقابلہ کیا مگر حضرت کعب بن زیدؓ کے سوا سب شہید کردیے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپؐ کو بہت غم ہوا اور آپؐ ایک ماہ تک بئر معونہ کے قاتلوں کے لیے بددعا کرتے رہے۔ ظاہر ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو ان کی سازش کا علم ہوتا تو آپ ستر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان کے پاس نہ بھیجتے۔ یہ واقعہ اور اس طرح کے اور کئی واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو غیب کی ان باتوں کا ہی علم تھا جن کے بارے میں اللہ آپؐ کو خبر دے دیتا۔ علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں لاشریک ہے اسی طرح وہ اپنی صفات میں بھی یکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کی طرح اس کا علم بھی بے مثل اور بے حد وحساب ہے اور مخلوق میں سے کوئی بھی عالم الغیب نہیں ‘جس کے پاس جو بھی علم یا صلاحیت ہے وہ اللہ ہی کی عطا کردہ ہے۔ قرآن اور حدیث میں عالم الغیب کے الفاظ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے آئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے مستقبل کے بارے میں جو باتیں بتائی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی بنیاد پر بتائی ہیں ‘اس لیے وہ ہوبہو اسی طرح واقع ہوئیں اور ہوں گی جس طرح آپؐ نے فرمائی ہیں۔ اس حدیث میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو آپؐ نے ایک عظیم آزمائش اور مصیبت کی خبر دی تھی ‘لہٰذا یہ پیشین گوئی آپؐ کی شہادت کے واقعہ کی صورت میں پوری ہوئی‘ جبکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

یہاں ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ تینوں حضرات کو رسول اللہ ﷺ نے فرداً فرداً جنت کی بشارت دی اور انہوں نے الحمد للہ کہہ کر اللہ کی حمد اور شکر ادا کیا۔ یعنی وہ جانتے تھے کہ جنت کی یہ بشارت آپؐ از خود نہیں دے رہے بلکہ مستقبل کی یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر پاکر ہی بتا رہے ہیں اور حمد او رشکر کا سزاوار بھی تنہا اللہ ہے۔ اسی طرح جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آنے والی مصیبت کی خبر دی گئی تو انہوں نے اللّٰہُ الْمُسْتَعَان کہہ کر اس ابتلاء

میں پورے اترنے کے لیے اللہ ہی سے استعانت کی‘ کیونکہ عبادت کی طرح استعانت بھی اسی سے ہے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کے بیٹے یوسف علیہ السلام کے معاملے میں آزمائش میں ڈالا گیا تو انہوں نے بھی

وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ کے لفظ کہہ کر اللہ ہی سے مدد چاہی تھی ‘گویا استعانت بھی اللہ سے ہے ۔جیسا کہ سورۃ الفاتحہ کے الفاظ ہیں کہ: {اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝ ۴ } ’’اے اللہ ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کریں گے اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور چاہتے رہیں گے ۔‘‘

(41)حفظ قرآن کی اہمیت

عَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ‘ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ : ((لَوْ جُعِلَ الْقُرْآنُ فِیْ اِھَابٍ ثُمَّ اُلْقِیَ فِی النَّارِ مَا احْتَرَقَ)) (سنن الدارمی)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ‘ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ’’اگر رکھ دیا جائے قرآن مجید کو کسی چمڑے میں پھر وہ آگ میں ڈال دیا جائے تو نہ جلے گا۔‘‘

یہ حدیث سنن دارمی میں ہے۔ سنن دارمی حدیث کی گیارہ مشہور کتابوں میں سے ایک ہے۔ اگرچہ یہ صحاح ستہ میں شامل نہیں تاہم اس کی اہمیت سے انکار نہیں۔ امام ابن حجر عسقلانیؒ سنن دارمی کو سنن ابن ماجہ پر فوقیت دیتے ہیں ‘ابن ماجہ صحاح ستہ میں شامل ہے۔

اس حدیث کے راوی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ جہنی ہیں۔ مدینہ میں آکر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا ‘پھر مدینہ میں ہی مقیم ہو گئے۔ انہیں قرآن وحدیث اور فقہ کے ساتھ گہری دلچسپی تھی۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نامور تیر انداز اور ماہر فنونِ جنگ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی محفل میں ہمیشہ حاضر رہنے کی کوشش کرتے ۔ کتب حدیث میں آپؓ کی ۵۵ مرویات ہیں۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی ذات میں بے مثل و بے مثال

ہے‘ اسی طرح وہ اپنی صفات میں بھی یکتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی عظمت بے حد و حساب اور بے پایاں ہے اسی طرح کلام اللہ کی رفعت ِشان کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ اس حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :’’اگر قرآن مجید چمڑے کے اندر رکھا جائے اور پھر وہ چمڑا آگ میں ڈالا جائے تو آگ اُس کو نہیں جلائے گی‘‘۔ گویا قرآن مجید کی برکت سے چمڑا نہیں جلے گا اور قرآن مجید بھی محفوظ رہے گا۔ یہ قرآن مجید کی معجزانہ شان ہے اور معجزہ نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ صورت رسول اللہ ﷺ کے حین حیات تھی۔ اگرچہ اب بھی کئی دفعہ سننے

میں آیا ہے کہ کسی جگہ آگ لگ گئی اور چمڑے کی جلد میں موجود قرآن مجید وہاں محفوظ رہا۔

شارحین حدیث کے مطابق اس حدیث میں چمڑے سے مراد انسان کی کھال ہے اور آگ سے مراد جہنم کی آگ ہے۔ چنانچہ حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جس جسم انسانی کے اندر قرآن مجید محفوظ ہو اُس جسم کو دوزخ کی آگ نہیں جلائے گی۔ ظاہر ہے کہ جب "لا الٰہ الا اللہ "کا اقرار اُخروی نجات کا ذریعہ ہے اور "لا الٰہ الا اللہ" قرآن مجید کا حصہ ہے تو پھر پورا قرآن تو لازماً نجات کا ذریعہ بنے گا۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ روزہ اور قرآن بندے کی سفارش کریں گے اور ان دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔

جس شخص نے سالہا سال محنت کر کے اُس کلام کو اپنے سینے میں اتار لیا ‘جسے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل کیا تھا تو اس کی فضیلت کا کیا حال ہو گا ! عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صاحب قرآن (حافظ) سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ قرآن مجید پڑھتا جا اور بہشت کے درجوں پر چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا ‘پس تیرا مقام وہی ہے جہاں تو آخری آیت پر پہنچے۔'' (ترمذی)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ :''جو شخص اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھے اس کے لیے اس حرف کے بدلے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر دس نیکیوں کے برابر ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے ‘بلکہ الف ایک حرف ہے ‘لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف''۔ گویا الٓمٓ پڑھنے والے کو تیس نیکیاں ملتی ہیں۔

حافظ قرآن حفظ کرتے ہوئے قرآن کی آیات

کو بار بار پڑھتا ہے اور نیکیاں حاصل کرتا ہے۔ حفظ کے دوران حافظ دہرا دہرا کر اس قدر قرآن پڑھ لیتا ہے جتنا غیر حافظ تقریباً ساری عمر میں پڑھتا ہے۔ پھر حافظ زندگی بھر چلتے پھرتے قرآنی آیات کی تلاوت کرتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق اسے ہر حرف پر نیکی ملتی ہے ۔ اندازہ کیجیے وہ تلاوتِ قرآن کے ذریعے زندگی بھر کتنی نیکیاں کما لیتا ہے !

قرآن مجید ایک ضخیم کتاب ہے اور اسے زیر زبر کی رعایت کے ساتھ یاد کرنا اور پھر اسے یاد رکھنا بظاہر ایک مشکل کام معلوم ہوتا ہے ‘مگر اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر اسے آسان کر دیا ہے۔ چھوٹی عمر کے بچے کو حفظ قرآن پر لگا دیا جاتا ہے تو وہ دو تین سال میں پورا قرآن حفظ کر لیتا ہے۔ اپنے ارد گرد میں دیکھئے کتنے ہی بچے ہیں جو حافظ ہیں ! اگر حفظ قرآن مشکل ہوتا تو بچے کیا بڑے بھی اس کو حفظ نہ کر سکتے ‘مگر ایسا نہیں ہے‘ ہمارے معاشرے میں ہزاروں کی تعداد میں بچے‘ بوڑھے اور جوان حافظ قرآن موجود ہیں۔

حضرت سعید بن سلیم رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں: ''قیامت کے دن اللہ کے کلام سے بڑھ کر کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہوگا' نہ کوئی نبی' نہ کوئی فرشتہ اور نہ کوئی اور۔'' (فضائل اعمال ' باب فضائل قرآن)

حدیث میں آتا ہے کہ قرآن مجید وہ سفارش کرنے والا ہوگا کہ اس کی سفارش رد نہیں کی جائے گی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن مجید ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت مقبول ہے اور ایسا جھگڑالو ہے کہ جس کا جھگڑا تسلیم کر لیا گیا ہے''۔ (ابن حبان)

سورۃ الملک کے فضائل میں منقول ہے کہ اس نے ایک بندے کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کی تو وہ بخش دیا گیا۔ (مسند احمد۔ جامع ترمذی)' جبکہ حافظ تو وہ ہے جسے صرف سورۃ الملک نہیں بلکہ قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتیں یاد ہیں اور وہ اُن کی تلاوت کرتا رہتا ہے۔ اس طرح وہ تمام آیات و سور کے فضائل سے مالا مال ہوتا رہتا ہے۔ حضرت معاذ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ

ہوگی' اگر وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو' پس کیا گمان ہے تمہارا اس شخص کے متعلق جو خود اس کا عامل ہو''۔ (مسند احمد' سنن ابوداؤد)

حافظ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ قرآن مجید کے معانی اور مطالب سے آگاہ ہو اور اس کے احکام پر عمل پیرا بھی ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے قرآن پڑھا پھر اس کو حفظ کیا اور اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام سمجھا' حق تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس افراد کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمائیں گے جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہو۔'' (ابن ماجہ' دارمی) یہ کتنا بڑا اعزاز ہے جو حافظ کو حاصل ہوگا۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ مشرک اور کافر کو کسی طرح کی سفارش نفع نہ دے گی' کیونکہ ان کے بارے میں قرآن مجید میں فیصلہ ہو چکا کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

بہرحال حافظ قرآن کو قرآن مجید کی حفاظت حاصل رہے گی۔ قرآن مجید کی برکات دنیا کی زندگی میں بھی اسے ملیں گی اور قبر اور حشر میں بھی قرآن مجید اس کے لیے سختیوں سے بچاؤ کا ذریعہ بنے گا۔ حافظ قرآن کے لیے حفظ قرآن بہت بڑا اعزاز ہے۔ وہ جب فوت ہوگا تو قرآن اپنے سینے میں محفوظ لے کر قبر میں جائے گا ۔ قرآن کلام الٰہی ہے' وہ ضرور وہاں اس کا مونس و غم خوار ہوگا اور اس کے لیے بچاؤ کا ذریعہ ہوگا۔ سورۃ التغابن میں قرآن مجید کو ''نور'' کہا گیا ہے ۔ نور ایک خوبصورت لفظ ہے جو خوبی' اچھائی' خیر' عمدہ اخلاق اور حسن و جمال کے معنوں میں

مجازاً استعمال ہوتا ہے مگر اس کا اصل معنی تو روشنی ہے۔ ظاہر ہے جو شخص پورا قرآن یعنی نور اپنے سینے میں لے کر قبر میں جائے گا تو وہاں اس کی قبر قرآن کے نور سے منور ہو جائے گی اور اسے کسی طرح کی ظلمت کا سامنا نہ کرنا پڑے گا اور پھر حشر کے روز بھی یہی قرآن اس کی نجات کا باعث بنے گا۔

(42)رسول اللہ ﷺ کی رحم دلی

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ فَدَخَلَ [النَّبِیُّ ﷺ] حَائِطًا لِرَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَاِذَا جَمَلٌ فَلَمَّا رَاٰی النَّبِیَّ ﷺ حَنَّ وَ ذَرَفَتْ عَیْنَاهُ فَاَتَاهُ النَّبِیُّ ﷺ فَمَسَحَ ذِفْرَاهُ فَسَکَتَ، فَقَالَ: ((مَنْ رَبُّ هٰذَا الْجَمَلِ؟ لِمَنْ هٰذَا الْجَمَلُ؟)) فَجَاءَ فَتًی مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ لِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَالَ: ((اَفَلَا تَتَّقِی اللّٰهَ فِیْ هٰذِهِ الْبَهِیْمَةِ الَّتِیْ مَلَّکَکَ اللّٰهُ اِیَّاهَا؟ فَاِنَّهٗ شَکَا اِلَیَّ اَنَّکَ تُجِیْعُهٗ وَتُدْئِبُهٗ)) (سنن ابی داؤد)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری صحابی کے باغ میں تشریف لے گئے' وہاں ایک اونٹ تھا' جب اس اُونٹ نے آپ ﷺ کو دیکھا تو ایسا ڈکرایا اور ایسی درد بھری آواز نکالی جیسے بچے کے جدا ہونے پر اونٹنی کی آواز نکلتی ہے' اور اس کی آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ اس کے قریب تشریف لے گئے' اور آپ ﷺ نے اس کی کنوتیوں پر اپنا دست شفقت پھیرا (جیسے کہ گھوڑے یا اونٹ پرپیار کرتے وقت ہاتھ پھیرا جاتا ہے) وہ اونٹ خاموش ہو گیا۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا :''یہ اونٹ کس کا ہے؟ اس کا مالک کون ہے؟''ایک انصاری نوجوان آئے اور انہوں نے عرض کیا :یارسول اللہ ! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا :''اس بے چارے بے زبان جانور کے بارے میں تم اس اللہ سے ڈرتے نہیں جس نے تم کو اس کا مالک بنایا ہے؟ اس نے مجھے شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو ' اور زیادہ کام لے کر تم اس کو بہت دکھ پہنچاتے ہو۔''

اس حدیث کے راوی حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما بن ابی طالب ہیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے۔ حبشہ میں جب نجاشی نے مسلمانوں کے ساتھ مذاکرات کیے تو حضرت جعفرؓ نے ہی اسے سورۂ مریم کی آیات سنا کر مطمئن کیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ غزوۂ موتہ میں شریک

ہوئے اور لشکر اسلام کے علم بردار مقرر ہوئے۔ جنگ کے دوران ان کے دونوں بازو کٹ گئے اور وہ شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا

اللہ تعالیٰ نے ان کے بازوئوں کے بدلے میں جنت میں انہیں دو پر عطا فرمادیے ہیں اور وہ جنت میں اڑتے پھرتے ہیں۔ چنانچہ انہیں جعفر طیار اور ذوالجناحین بھی کہا جاتا ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ انہی کے بیٹے ہیں۔ والدہ کی طرف سے حضرت عبداللہ ،محمد بن ابی بکر کے بھائی تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بڑے فیاض تھے اور ان کا اعزازی لقب ''بحر الجود'' (سخاوت کا دریا) تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے تو وہاں ایک اونٹ تھا جس نے آپؐ کودیکھ کر دردناک آواز نکالی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ گویا اس نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی تکلیف سے آگاہ کرنا چاہا۔ رحمۃ للعالمین ﷺ اس اونٹ کے پاس گئے ،اس کی کنپٹیوں پرپیار سے ہاتھ پھیرا اور پھر دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ جب اس کا مالک آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپؐ نے اسے فرمایا کہ تم اس بے زبان جانور کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتے ؟ اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور کام بھی اس کی طاقت سے زیادہ لیتے ہو۔

رسول اللہ ﷺ دین کامل لے کر آئے تھے ،جس میں حقوق و فرائض کی پوری وضاحت موجود ہے ۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کسی بھی ذی روح کو تکلیف نہ پہنچائو ،بلکہ اگر کسی کو تکلیف میں دیکھو تو اس کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کرو ،خواہ وہ انسان ہو یا حیوان۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ((اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ)) (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) ''ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے ،پس مخلوق میں سے اللہ کا محبوب ترین بندہ وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرے'' ۔ گویا مخلوق کے ہر فرد کے ساتھ حسن سلوک اور نرمی کا برتائو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے ، خواہ وہ انسان ہو یا حیوان۔ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی کہا گیا ہے اور مسلمان کی شان یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کو ہاتھ اور زبان سے کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچائے ،بلکہ بھائی ہونے کا تقاضا پورا کرتے ہوئے ہر دوسرے مسلمان کا ہمدرد اور خیر خواہ ہو۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے (صحیحین) ۔مؤمن تو مؤمن ہے ،اسلام تو پرامن کافروں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ کسی بھی جاندار کو تکلیف پہنچانا بڑا گناہ اور ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو اپنا کنبہ کہا ہے۔

جس طرح سربراہ خاندان کو اپنے افرادِ خانہ سے محبت ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ہر فرد کے ساتھ محبت ہے۔ اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ جانوروں کو تنگ کرنے سے منع کیا گیا ہے' پالتو جانوروں سے ان کی طاقت کے مطابق کام لینے اور پوری غذا دینے کی تاکید کی گئی ہے۔

اس حدیث میں مذکور اونٹ کا مالک اسے کم خوراک دیتا' بھوکا رکھتا اور کام اس کی طاقت سے زیادہ لیتا تھا۔ چنانچہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کی شکایت کی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے مالک کو خوفِ خدا کا احساس دلایا اور اس جانور کے معاملے میں اسے نصیحت کی کہ اسے پوری خوراک دیا کرے اور کام بھی مناسب لے۔

یہاں ایک اور بات بھی معلوم ہوتی ہے' وہ یہ کہ اس اونٹ نے رسول اللہ ﷺ کو پہچان لیا اور اُن کے پاس اپنی تکلیف کی شکایت کی۔ کتنے ہی بڑے چھوٹے لوگ اس اونٹ کے پاس سے گزرتے ہوں گے' اسے دیکھتے ہوں گے 'مگر اس نے کسی اور سے شکایت نہیں کی بلکہ اس ہستی کو اپنی شکایت سنائی جہاں اس کا شکایت کرنا سودمند تھا۔ چنانچہ اس کے مالک کو آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں مناسب تنبیہہ کر دی۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آپ ﷺ کے اوّلین مخاطب انسان آپ کو نہ پہچان سکے اور بجائے اس کے کہ آپؐ کی دعوت پر لبیک کہتے اُلٹے آپؐ کی مخالفت کرنے اور اذیت دینے میں حد کر دی 'مگر حقیقت یہ ہے کہ ابوجہل' ابولہب اور دوسرے سردارانِ قریش آپ ﷺ کو اچھی طرح پہچانتے تھے مگر بدقسمت تھے کہ تعصب نے ان کو اندھا کر رکھا تھا' ورنہ قرآن میں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اس طرح پہچانتے تھے جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے۔ گویا جن لوگوں نے آپؐ کو دیکھا اور اسلام نہ لائے ان کے مفادات آڑے آئے اور وہ اپنے آباء و اجداد کے باطل طریقوں کو چھوڑنے کی ہمت نہ کر سکے۔ اس کے برعکس یہ اونٹ کتنا بخت آور ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود چند قدم چل کر اس کے پاس گئے اور اس کی کنپٹیوں پر ہاتھ پھیرا اور اس کی شکایت سنی۔

جانوروں کے ساتھ رحم دلی کا سلوک کرنے کی رسول اللہ ﷺ نے بہت تاکید فرمائی ہے۔ اس سلسلہ میں کتب حدیث میں کئی واقعات ملتے ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمن اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں:

''ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے' آپؐ قضائِ حاجت کے لیے تشریف لے گئے' اس اثنا میں ہماری نظر ایک سرخ چڑیا (غالباً نیل کنٹھ) پر پڑی' جس کے

ساتھ اس کے چھوٹے چھوٹے دو بچے بھی تھے۔ ہم نے ان بچوں کو پکڑ لیا' وہ چڑیا آئی اور ہمارے سروں پر منڈلانے لگی۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ؐ نے فرمایا: ''کس نے اس کے بچے پکڑ کے اسے

ستایا ہے؟اس کے بچے اس کو واپس کر دو''---- اور آپؐ نے چیونٹیوں کی ایک بستی دیکھی (یعنی زمین کا ایک ایسا ٹکڑا جہاں چیونٹیوں کے بہت سوراخ تھے اور چیونٹیوں کی بہت کثرت تھی) ہم نے وہاں آگ لگا دی تھی' آپؐ نے فرمایا: ''کس نے ان کو آگ سے جلایا ہے؟'' ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ! ہم نے ہی آگ لگائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''آگ کے پیدا کرنے والے رب کے سوا کسی کے لیے یہ سزاوار نہیں ہے کہ وہ کسی جاندار کو آگ کا عذاب دے۔'' (سنن ابی داؤد)

حلال جانوروں کو ذبح کر کے اُن کا گوشت کھانے کا حکم ہے کہ وہ اسی لیے پیدا کیے گئے ہیں 'مگر ان کو بھوکا پیاسا رکھنا 'انہیں مارنا پیٹنا اور ضرورت سے زیادہ کام لینا گناہ کی بات ہے۔ مسلمان کو ہدایت ہے کہ جب وہ جانور کو ذبح کرے تو چھری کو خوب تیز کر لے تاکہ جانور کو کم سے کم تکلیف ہو۔ پھر ذبح کرنے سے پہلے اُسے بھوکا پیاسا نہ رکھے بلکہ اسے پانی اور چارہ مہیا کرتا رہے۔ اس کی کھال اُس وقت اُتارنا شروع کرے جب وہ پوری طرح بے حس و حرکت ہو جائے۔ اسی طرح کسی زندہ جانور کے سامنے دوسرے جانور کو ذبح بھی نہ کرے۔

لوگ جانوروں کے حقوق کو عام طور پر کوئی اہمیت نہیں دیتے 'حالانکہ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے اور جانوروں پر ظلم کرنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے ۔ایک عورت بلی کو بھوکا پیاسا رکھنے کی پاداش میں جہنم کا ایندھن بن گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا :'' ایک بے درد اور بے رحم عورت اس لیے جہنم میں گرائی گئی کہ اس نے ایک بلی کو باندھ کر (بھوکا مار ڈالا) نہ تو اُسے خود کچھ کھانے کو دیا اور نہ اسے چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑوں سے اپنی غذا حاصل کر لیتی۔'' (بخاری و مسلم)

یہ بنی اسرائیل کی ایک عورت تھی جس کا حال اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر منکشف فرمادیا۔

اسی طرح ایسا بھی ہوا کہ ایک شخص نے کسی جانور پر رحم کھایا اور بھوک اورپیاس میں کھانا پانی دیا یا اس کے دکھ درد کو محسوس کیا اور اس کی مدد کی تو اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کی خطاؤں کو معاف کر دیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہسے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اس اثنا میں کہ ایک آدمی راستہ چلا جا رہا تھا' اسے سخت پیاس لگی۔ چلتے چلتے اسے

ایک کنواں ملا' وہ اس کے اندر اترا اور پانی پی کر باہر نکل آیا۔ کنوئیں کے اندر سے نکل کر اس نے دیکھا کہ ایک کتا ہے جس کی زبان باہر نکلی ہوئی ہے اورپیاس کی شدت سے وہ کیچڑ کھا رہا ہے۔ اُس آدمی نے دل میں کہا کہ اس کتے کو بھی پیاس کی ایسی ہی تکلیف ہے جیسی کہ مجھے تھی۔چنانچہ وہ اس کتے پر رحم کھا کر پھر اس کنوئیں میں اترا اور اپنے چمڑے کے موزے میں پانی بھر کر اُس نے اس کو اپنے منہ سے تھاما اور کنوئیں سے باہر نکل آیا اور اس کتے کو وہ پانی اس نے پلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی رحم دلی اور اس محنت کی قدر فرمائی اور اسی عمل پر اس کی بخشش کا فیصلہ فرما

دیا۔ بعض صحابہؓ نے حضور ﷺ سے یہ واقعہ سن کر دریافت کیا یارسول اللہ ! کیا جانوروں کی تکلیف دور کرنے میں بھی ہمارے لیے اجر و ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں ! ہر زندہ اور تر جگر رکھنے والے جانور (کی تکلیف دور کرنے) میں ثواب ہے۔'' (بخاری و مسلم)

یہ جذبہ ترحم اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے ۔ اللہ تعالیٰ خود ارحم الراحمین ہے اور اسے رحم دل لوگ پسند ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''رحم کرنے والوں اور ترس کھانے والوں پر بڑی رحمت کرنے والا (اللہ تعالیٰ) رحم کرے گا۔ زمین پر رہنے بسنے والی اللہ کی مخلوق پر تم رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا ۔''(جامع ترمذی' سنن ابی دائود) اسی مضمون کو شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ؎

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہو گا عرشِ بریں پر !